الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

اس دنیا میں زندہ رہنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ
ہر آدمی کے پاس ایک ایسا قبرستان ہو
جس میں وہ لوگوں کے قصوروں کو دفن کر سکے

مارچ ۱۹۸۳ □ قیمت فی پرچہ — تین روپے □ شمارہ ۷۶

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

مارچ ۱۹۸۳
شمارہ ۷۶

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دھلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

تعارفی سٹ

اسلام کے تعارف پر ہم نے پانچ کتابوں کا ایک سٹ تیار کیا ہے جو مدارس میں ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے بھی مفید ہے اور اسلام کے عمومی تعارف کے لئے بھی۔ یہ سٹ حسب ذیل ہے۔

۱۔ سچا راستہ	ایک روپیہ پچاس پیسے
۲۔ دینی تعلیم	تین روپیہ
۳۔ حیات طیبہ	دو روپیہ پچاس پیسے
۴۔ باغ جنت	تین روپیہ
۵۔ نار جہنم	تین روپیہ

اس تعارفی سٹ کو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں شائع کرنے کے لئے جو لوگ کوئی تعاون کریں وہ انشاء اللہ خدا کے یہاں اس کا اجر پائیں گے۔

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

زر تعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دو سو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

اصلاح کا طریقہ

ایک ہے برائی کو برا سمجھنا اور ایک ہے برے آدمی کو برا سمجھنا۔ دونوں میں ظاہری الفاظ کے اعتبار سے معمولی فرق نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک اسلام بن جاتا ہے اور دوسرا غیر اسلام۔ ایک خدا سے ڈرنے والا طریقہ ہے اور دوسرا طریقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا سے بے خوف ہو چکے ہوں۔

قرآن میں ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے (ان الشیطان للانسان عدو مبین، یوسف ۱۲) دوسری طرف فرمایا کہ آخرت کے عذاب سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو لوگوں کو برائی سے روکتے تھے (انجینا الذین ینھون عن السوء، الاعراف۔ ۱۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کو نشانہ بنا کر اس کے خلاف مہم چلانا شیطانی فعل ہے۔ اس کے برعکس آدمی اگر برائی کو نشانہ بنائے اور برائی کو (نہ کہ برے آدمی کو) مٹانے کی کوشش کرے تو یہ فعل خدا کو اتنا پسند ہے کہ اس کی وجہ سے وہ آدمی کو آخرت میں بخش دے گا اور اس کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا۔

آج اگر مسلم معاشرہ کو دیکھئے تو ہر جگہ آپ کو یہ منظر دکھائی دے گا کہ لوگ برائی کو مٹانے کے نام پر ایک یا زیادہ آدمیوں کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ کوئی خاندان ہو یا کوئی محلہ، کوئی قوم ہو یا کوئی ملک ہر جگہ کچھ افراد لوگوں کی مخالفانہ کارروائیوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ لوگ برائی کے نام پر کسی شخص خاص کو مٹانے کے لئے اپنی ساری توجہ لگائے ہوئے ہیں۔

اگر برائی کو مٹانے کا ذہن ہو تو آدمی کو برائی سے دشمنی ہوتی ہے نہ کہ کسی شخص خاص سے جس کو برا مشہور کر دیا گیا ہو۔ اگر کسی آدمی میں برائی پائی جائے تو ایسا آدمی صرف معلوم برائی کی حد تک اس کو برا سمجھتا ہے۔ جب کہ دوسرے ذہن کے لوگ ایک برائی کی بنا پر اس کی پوری شخصیت ہی کو قابل نفرت سمجھنے لگتے ہیں۔ برائی کو برا سمجھنے والوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ اگر برا آدمی اپنی اصلاح کر لے تو اس کے بعد وہ ان کا دوست بن جاتا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کے لوگوں کو اس کی اصلاح سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ اس کی ذات کے دشمن بن جاتے ہیں اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک اس کو ہلاک نہ کر لیں، اسی طرح برائی کو برا سمجھنے والا اپنے اور غیر میں فرق نہیں کرتا۔ مگر جو شخص برے فرد کو نشانہ بنانے کا مزاج رکھتا ہو وہ اپنے حلقہ کے آدمی کو ایک نظر سے دیکھے گا اور دوسرے حلقہ کے آدمی کو دوسری نظر سے۔ برائی کے خلاف اٹھنے والا آدمی عین اس وقت بھی برے آدمی کے لئے دعائیں کر رہا ہوتا ہے جب کہ وہ اس کی برائی کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔

خدا کی نظر سے

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ جو شخص کسی شخص کو مار ڈالے، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو مار ڈالا ہو یا زمین میں فساد کیا ہو، تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا۔ اور جس نے کسی کو زندگی دی تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندگی دی (مائدہ ۳۲)

عام طور پر لوگ ان بڑے بڑے مجرمین کو مجرم سمجھتے ہیں جنھوں نے "ایٹم بم" گرا کر پوری پوری بستی کو تباہ کر ڈالا ہو۔ مگر اللہ کی نظر میں ایک شخص کو قتل کر دینے والا بھی اتنا ہی بڑا مجرم ہے جتنا سارے انسانوں کو قتل کرنے والا۔ کیونکہ ایک شخص کو قتل کر کے وہ آدمی اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ انسانی جان کے بارے میں اس کے اندر احترام کی نفسیات نہیں۔ اور جو شخص ایک بندہ خدا کے قتل کے بارے میں بے خوف ہو وہ سارے بندگان خدا کے بارے میں بے خوف ہو سکتا ہے۔

خدا کی نظر میں انفرادی جرم بھی اتنا ہی بڑا ہے جتنا کوئی اجتماعی جرم۔ کسی مقام پر بڑا فساد ہو جائے یا قومی سطح پر کوئی مصیبت پیش آجائے تو تمام لوگ اس کے سلسلہ میں اپنا حصہ ادا کرنے کے لئے متحرک ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب ایک شخص کو ستایا جا رہا ہو یا ایک شخص کو کوئی ظالم اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہا ہو تو ایسے واقعہ کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں، اس کے دفعیہ کے لئے کوئی نہیں اٹھتا۔ مگر خدا کی نظر میں فرد کے خلاف ظلم بھی اتنا ہی بڑا ہے جتنا کسی اجتماع کے خلاف ظلم۔

جو لوگ اجتماعی ظلم کے موقع پر سرگرمی دکھائیں اور جب انفرادی ظلم کا موقع سامنے آئے تو وہ متحرک نہ ہوں وہ معاملہ کو اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں نہ کہ خدا کی نظر سے اور جو لوگ معاملہ کو اپنی نظر سے دیکھیں وہ خدا کے یہاں کسی انعام کے مستحق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ معاملہ کو خدا کی نظر سے دیکھتے تو دونوں قسم کے مواقع پر متحرک ہوتے۔ جب وہ ایک قسم کے موقع پر متحرک ہوئے اور دوسری قسم کے موقع پر خاموش بیٹھے رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اٹھنا ان کے اپنے جذبات و خواہشات کے زیر اثر تھا نہ کہ خدا کے حکم کے زیر اثر۔

انسان کو رب بنانا

قرآن میں یہود و نصاریٰ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے احبار (علماء) اور رہبان (مشائخ) کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں صرف ایک معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں (التوبہ ۳۱)

امام احمد اور امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔ انھوں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کی عبادت تو کبھی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا:

بلیٰ إنهم حرموا عليهم الحلال واحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم اياهم (تفسیر ابن کثیر)

ہاں، ان کے علماء و مشائخ نے ان پر حلال کو حرام کیا اور حرام کو ان کے لئے حلال کیا۔ تو انھوں نے ان کی پیروی کی۔ ان کا یہی فعل علماء و مشائخ کی عبادت ہے۔

عبادت کی یہ قسم کوئی انوکھی نہیں۔ اس کو آج بھی آپ ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا ایک قائد یا ایک بزرگ کسی شخص سے بگڑ جائے اور اس کے خلاف انتقامی کارروائی کرے تو اس کے تمام معتقدین اس میں اس کا ساتھ دیں گے۔ حالانکہ خدا کی شریعت میں یہ حرام ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف انتقامی کارروائی کرے۔ اس کے بعد اس بزرگ کے تمام معتقدین اس کو جائز سمجھ لیں گے کہ اس شخص کو ہر طریقہ سے ستائیں۔ اس کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹی باتیں مشہور کریں۔ اس شخص کے بارے میں خدا کے ان تمام احکام کو بھول جائیں جو انسان کے حقوق یا مسلمان کے احترام کے بارے میں دئے گئے ہیں۔ ایسی صورت پیش آنے کے بعد وہ اپنے بزرگ کو خوش کرنے والے دین پر چلیں گے نہ کہ خدا کو خوش کرنے والے دین پر۔ اس کے لئے وہ حرام کو حلال کریں گے اور حلال کو حرام بنائیں گے اور انھیں کبھی خیال تک نہ آئے گا کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کو اپنا رب بنانے کی غلطی کر رہے ہیں۔

کسی بزرگ سے آدمی کو اتنا شدید تعلق کیوں ہوتا ہے کہ اس کی خاطر وہ خدا کے احکام تک کو بھول جاتا ہے، اس کا راز اداراتی مذہب (Institutionalised Religion) ہے۔ اداراتی مذہب دراصل مذہب کے گدی بن جانے کا دوسرا نام ہے۔ جس طرح جائداد کے وراثتی نظام میں ایک شخص محض اس لئے ایک بڑی جائداد کا مالک بن جاتا ہے کہ وہ اس کو وراثت میں مل گئی ہے۔ اسی طرح اداراتی مذہب میں یہ ہوتا ہے کہ ماضی سے بزرگوں کی جو ایک گدی چلی آرہی ہے، بس اسی کی اصل اہمیت ہوتی ہے۔ اور جو شخص اس گدی پر بیٹھ جائے وہ مذکورہ گدی کا گدی نشین ہونے کی وجہ سے ان تمام کرامات و اوصاف کا حامل سمجھ لیا جاتا ہے جو روایتی طور پر اس گدی کے بارے میں ماضی سے چلی آرہی ہیں۔

دو قسم کے بیج

زمین میں ایک سڑا ہوا بیج ڈالا جائے تو وہ مزید سڑ گل کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کو نہ کوئی ہرا لباس ملتا اور نہ اس پر کبھی بہار آتی۔ اس کے اجزاء اگرچہ زمین میں موجود رہتے ہیں مگر ان کے وجود کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ دنیا میں نہ ان کا کوئی مقام ہوتا اور نہ دنیا کی چیزوں میں ان کا کوئی حصہ ہوتا۔

اس کے برعکس زمین میں اگر ایک اچھا بیج ڈالا جائے تو وہ دوبارہ ایک زندہ وجود کے طور پر باہر آتا ہے۔ وہ ایک ہرا بھرا درخت بن کر پہلے سے زیادہ بہتر صورت میں زمین کے اوپر کھڑا ہوتا ہے۔ ساری کائنات اس کے لئے غذائی دسترخوان بن جاتی ہے۔ وہ ایک انتہائی مکمل وجود کی صورت میں زمین کے اوپر اپنی جگہ حاصل کرتا ہے۔

یہ خدا کی ایک نشانی ہے جو آخرت کے معاملہ کو ہمیں واقعات کی زبان میں بتاتی ہے۔ وہ آخرت کے معاملہ کو ہماری آنکھوں کے سامنے مصوّر کرتی ہے۔

ایک انسان وہ ہے جو غیر صالح ہے۔ ایسے انسان کی مثال خراب بیج کی ہے۔ وہ مرنے کے بعد زمین میں دفن ہوگا، صرف اس لئے کہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے۔ ایک سڑے ہوئے وجود کے سوا اس دنیا میں اس کی کوئی حیثیت باقی نہ رہے۔

دوسرا انسان وہ ہے جو صالح انسان ہے۔ اس کی مثال عمدہ بیج کی ہے۔ وہ بھی اگرچہ مرنے کے بعد زمین میں دفن ہوگا۔ مگر وہ اس لئے دفن ہوگا کہ پہلے سے زیادہ شاداب ہو کر ایک نئی زندگی کی صورت میں نمایاں ہو۔ وہ کائنات میں اپنے لئے دوبارہ بہترین مقام پا سکے۔ وہ خدا کے باغ میں سرسبز درخت کی طرح نشو و نما پائے۔

اسی سے جہنم کا معاملہ اور جنت کا معاملہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جہنم گویا ایک خراب زمین ہے جہاں تمام سڑے ہوئے بیج پھینک دئے جائیں گے۔ اس کے برعکس جنت گویا بہترین زرخیز زمین ہے جہاں تمام بہترین بیج چھانٹ کر ڈالے جائیں گے تاکہ وہ سرسبز و شاداب فصل کی صورت میں اُگیں اور بہترین موافق ماحول میں لہلہائیں۔

پھر بھی انھیں الفاظ مل گئے

مکہ کے سردار قبیلہ بنی ہاشم سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کردیں تاکہ وہ آپ کو قتل کردیں۔ مگر بنو ہاشم کے سردار ابو طالب نے کہا: خدا کی قسم محمد کو ہم تمھارے حوالے نہیں کریں گے، یہاں تک کہ ہمارا ایک ایک شخص ہلاک ہو جائے۔ بالآخر نبوت کے ساتویں سال قریش نے بنو ہاشم کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ لکھا جو کعبہ کے اندر آویزاں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم مجبور ہوئے کہ مکہ کے باہر ایک گھاٹی (شعب بنی المطلب) میں پناہ لیں

یہ بے حد سخت امتحان تھا۔ گھر کا اندوختہ شروع کے کچھ دنوں میں کام آتا رہا۔ اس کے بعد یہ نوبت آگئی کہ درخت کی جڑوں اور پتوں سے لوگ پیٹ بھرنے لگے۔ باہر کا قافلہ مکہ آتا تو آپ کے ساتھی بازار جاتے کہ کچھ کھانے پینے کا سامان خرید کر لائیں۔ مگر ابو لہب نکل کر تاجروں سے کہتا کہ تم لوگ محمد کے ساتھیوں کو اتنی زیادہ قیمت بتاؤ کہ وہ خریدنے سے عاجز رہیں۔ چنانچہ وہ قیمتیں بہت بڑھا دیتے اور آپ کے ساتھی اس حال میں واپس آتے کہ ان کے بچے بھوک سے رو رہے ہوتے اور ان کا پیٹ بھرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہ ہوتا۔

جب تین سال گزر گئے تو ایسا ہوا کہ دیمک کعبہ کے اندر داخل ہوئی اور مذکورہ ظالمانہ معاہدہ (صحیفہ) کو کھا گئی۔ اللہ کے نام کے سوا اس میں کچھ باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کردی۔ آپ نے ابو طالب سے اس کو بیان کیا۔ ابو طالب نے کہا، کیا آپ کے رب نے آپ کو اس سے باخبر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس کے بعد ابو طالب قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے، اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، کہ تمھارے صحیفہ پر خدا نے دیمک مسلط کردی اور وہ اس کی تمام ظلم و جور کی دفعات کو کھا گئی، اب اس میں صرف خدا کا نام باقی رہ گیا ہے، اس لئے تم لوگ کعبہ کا دروازہ کھول کر اس صحیفہ کو دیکھو۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو تم کو چاہئے کہ تم اپنے ظلم سے باز آجاؤ۔

قریش کے سردار اس پر راضی ہو گئے۔ انھوں نے کعبہ کا دروازہ کھول کر صحیفہ نکالا تو واقعۃً وہ خبر بالکل صحیح تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دی تھی، مگر اس کے باوجود وہ اپنے ظلم اور سرکشی سے باز نہ آئے اور ابو طالب سے کہا: یہ تمھارے بھتیجے کا جادو ہے (ھٰذا اسحر ابن اخیك)

چھوڑی ہوئی سنت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مکی دور میں قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن بنے ہوئے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ پھر بھی ان کی نصیحت اور خیر خواہی میں لگے ہوئے تھے۔ آپ برابر ان کی ہدایت اور نجات کے لئے دعا کرتے رہتے (یبذل لھم النصیحۃ ویدعوھم الی النجاۃ مما ھم فیہ)

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی مکہ آئے۔ قریش نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح بدگمان کر دیا کہ وہ آپ سے ملتے ہوئے ڈرتے تھے۔ تاہم ایک روز انھوں نے بیت اللہ میں آپ سے قرآن سنا اور اس سے اتنا متاثر ہوئے کہ مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد طفیل بن عمر الدوسی اپنے وطن گئے۔ وہاں انھوں نے اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر باپ اور بیوی کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ وہ دوبارہ مکہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ انھوں نے قبیلہ دوس کے بارے میں سخت تاثر کا اظہار کیا۔ اس سلسلہ میں ابن اسحاق نے ان کی جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

ثم دعوت دوسا الی الاسلام فابطؤوا علیّ ثم جئت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ فقلت لہ یا نبیّ اللہ انہ قد غلبنی علی دوس الزنا فادع اللہ علیھم فقال اللھم اھدِ دوسًا، ارجع الیٰ قومک فادعُھم وارفق بھم

(سیرۃ ابن ہشام)

پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انھوں نے ماننے میں دیر کی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ آیا اور آپ سے کہا کہ اے خدا کے رسول، قبیلہ دوس کھیل تماشے میں منہمک ہے، اس کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔ مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ۔ اس کو اسلام کی دعوت دو اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔

کہنے والے نے آپ سے بددعا کی درخواست کی تھی مگر آپ اس کے جواب میں دعا کرنے لگے۔

دعوت سے غفلت

ترکی میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ وہاں ایک قابل لحاظ تعداد عیسائیوں کی بھی ہے۔ ترکی کے سلطان سلیم نے ایک بار ارادہ کیا کہ ترکی کے تمام غیر مسلم باشندوں کو اسلام قبول کرنے کا حکم دے دے۔ جو لوگ اسلام قبول کرلیں وہ ترکی میں رہیں اور جو لوگ اسلام قبول نہ کریں ان کو ملک سے نکال دیا جائے۔

اس وقت ترکی کے ایک عالم مفتی جمال سامنے آئے۔ انھوں نے بادشاہ سے صاف لفظوں میں کہا کہ تمھارے لئے ایسا کرنا جائز نہیں (لا یحل لك ذلك) امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں کہ اگر سلطان سلیم کا یہ ارادہ پورا ہو جاتا تو آج ترکی میں عیسائیوں کا وجود نہ ہوتا۔ مگر مفتی جمال نے اس قوت کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش کیا اور اس کے حق میں ایسی دلیلیں دیں کہ سلطان سلیم کا عزم اس کے بعد ٹھنڈا ہو کر رہ گیا (تعلیقات بر مقدمہ ابن خلدون، صفحہ ۱۷۷)

اس طرح کی جرأت کی مثالیں ہماری جدید تاریخ میں بہت ملتی ہیں۔ مگر ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اسی طرح کی قوت اور اہمیت کے ساتھ کسی عالم نے دعوت الی اللہ کے فریضہ کی طرف عوام یا ارباب کار کو توجہ دلائی ہو۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔

اس کی وجہ ہمارے علماء کے ذہن پر فقہی نقطۂ نظر کا غلبہ ہے۔ ہمارا تعلیمی نظام علماء کے اندر جو مزاج بناتا ہے اس میں فقہی امور تو پوری شدت کے ساتھ ان کے ذہن پر چھا جاتے ہیں۔ مگر دعوتی امور ان کے ذہن کے خانہ میں جگہ نہیں پاتے۔

ہمارے موجودہ نظام تعلیم کی بنیاد فقہ پر ہے نہ کہ دعوت پر۔ اس کا نصاب اور اس کا نظام تمام تر فقہی ضروریات و مسائل کے اعتبار سے بنا ہے۔ دعوتی مسائل و ضروریات کی اس میں کوئی جگہ ہی نہیں۔ ایسی حالت میں یہی ممکن ہے کہ فقہی امور کے بارے میں لوگ بے حد حساس ہوں مگر دعوتی امور کے بارے میں ان کے اندر حساسیت نہ پائی جائے۔

مفتی جمال نے سلطان ترکی سے جو بات کہی وہ بجائے خود بالکل صحیح تھی۔ لیکن اگر ان کے اندر دعوتی ذہن ہوتا تو سلطان سے وہ یہ کہتے کہ دوسری قوموں کو اسلام کے سایۂ رحمت میں لانا عین مطلوب ہے اور اس اعتبار سے تمھارا جذبہ قابل قدر ہے۔ مگر یہ کام تم کو تبلیغ و دعوت کے ذریعہ کرنا چاہئے نہ کہ جبر و قوت کے ذریعہ۔

اسلوب بیان

عبداللہ بن ابی نے اگرچہ اسلام قبول کرلیا تھا۔ مگر اس کی جاہ پسندی اسے ایک ایسے اسلام کا مخلص اور وفادار نہ بنا سکی جس کی سرداری اس کے سوا کسی اور کو حاصل ہو۔ چنانچہ وہ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے خلاف سازشیں کیا کرتا تھا۔

ایک بار آپ کے اصحاب نے آپ سے کہا کہ آپ عبداللہ بن ابی کے یہاں تشریف لے چلیں۔ اس سے اس کی عزت افزائی ہوگی اور ممکن ہے کہ اس کی ضد میں کمی ہو اور وہ اسلام کا مخلص بن جائے۔ چنانچہ آپ ایک گدھے پر سوار ہوکر اپنے بعض اصحاب کے ساتھ اس کے مقام کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ عبداللہ بن ابی کے مکان پر پہنچے تو اس کے گھمنڈ میں اور اضافہ ہوگیا۔ اس نے آپ کو گدھے پر دیکھ کر کہا: "ذرا دور رہئے، آپ کی سواری کی بو سے مجھ کو تکلیف ہو رہی ہے"۔ اس کو سن کر ایک انصاری کو غصہ آگیا۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے:

واللہ لحمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطیب ریحاً منک، مسند احمد، جلد ۳)

صحابی کے اس جملہ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ واقعی وہ گدھے میں ایسی خوشبو پا رہے تھے جو انسانی جسم سے زیادہ بہتر تھی۔ یہ صرف جواب کا ایک انداز تھا۔ عبداللہ بن ابی نے خوشبو اور بدبو کی زبان میں اپنی بات کہی تھی، صحابی نے بھی اسی زبان میں اس کا جواب دیا۔ یہ دراصل جوابی اسلوب میں یہ بتانا تھا کہ تم جانور سے نفرت کر رہے ہو۔ حالانکہ تم منافقت میں مبتلا ہو، اور منافقت خدا کے نزدیک جانور سے بھی زیادہ بدتر چیز ہے۔

تغلق خاندان کے ایک بادشاہ نے ایک عالم دین کو بلایا اور اس سے کسی مسئلہ پر گفتگو کی۔ عالم کا جواب سلطان کی مرضی کے خلاف تھا۔ سلطان نے بگڑ کر کہا: کیا تم میری تلوار سے نہیں ڈرتے (اما تخاف سیفی) عالم نے کہا: ہاں، اور اسی لئے میں اپنی پگڑی کو اپنا کفن سمجھتا ہوں (نعم ولذا احسب عمامتی کفنی، نزہتہ الخواطر)

عالم کا یہ جملہ بھی حقیقۃً ایک اسلوب ادا ہے۔ ان کے سر پر پگڑی تھی۔ اس لئے انھوں نے پگڑی کے اسلوب میں جواب دیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعۃً وہ پگڑی کو اپنا کفن سمجھ کر پہنتے تھے۔

صحابی کی توبہ

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انھیں چھوتا ہے تو وہ فوراً چونک پڑتے ہیں، پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے۔ اور جو شیطان کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، پھر وہ کمی نہیں کرتے (الاعراف ۲۰۲ - ۲۰۱)

اللہ کا ڈر کس طرح آدمی کو برائی کے وقت چونکا دیتا ہے، اس کی ایک مثال حضرت ابولُبابہ بن عبدالمنذر کا واقعہ ہے۔ بنو قریظہ ایک یہودی قبیلہ تھا جو مدینہ کے قریب آباد تھا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر معاہدہ کے خلاف بنو قریظہ نے غداری کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف فوج بھیجی۔ تقریباً ایک مہینہ تک ان کا محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد بنو قریظہ کی درخواست پر حضرت سعد بن معاذ کو ان کے معاملہ کا حَکَم بنایا گیا۔ کہ وہ جو فیصلہ کریں فریقین اس کو منظور کرلیں۔

اس دوران میں بنو قریظہ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری کو بلایا۔ زمانہ جاہلیت میں ابولبابہ اور بنو قریظہ کے درمیان اچھے تعلقات تھے اور ابھی تک ان سے ان کے مالی معاملات باقی تھے۔ بنو قریظہ کو امید تھی کہ وہ ان کو صحیح مشورہ دیں گے۔ حضرت ابولبابہ جب بنو قریظہ کے یہاں پہنچے تو بنو قریظہ کے مرد اور عورت اور بچے سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ان میں بہت سے رونے لگے۔

بنو قریظہ نے حضرت ابولُبابہ سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے۔ کیا ہم رسول اللہ کے حَکَم کو منظور کرلیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں۔ یہ بہت جذباتی موقع تھا۔ حضرت ابولبابہ کو معلوم تھا کہ بنو قریظہ کے لئے قتل کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ کیونکہ تورات میں غدر کی سزا یہی ہے۔ تاہم ان کی زبان پر یہ الفاظ نہ آسکے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی حلق پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بتایا کہ حَکَم کو ماننا اپنے آپ کو ذبح کرانا ہے (اشار بیدہ الی حلقہ انہ الذبح، سیرۃ ابن کثیر)

بنو قریظہ سے تعلق کی بنا پر حضرت ابولبابہ سے یہ عمل ہو گیا۔ مگر اس کے فوراً بعد ان کا جو حال ہوا وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ تھا:

قال ابو لبابة فواللّٰہ مازالت قدمای من مکانہما حتی عرفتُ انی قد خُنتُ اللّٰہ ورسولہ (سیرۃ ابن کثیر)

خدا کی قسم میرے دونوں پاؤں ابھی اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ میں نے جان لیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے۔

حضرت ابولبابہ احساس جرم لئے ہوئے بنو قریظہ کے یہاں سے لوٹے۔ چنانچہ وہ اپنے گھر نہیں گئے بلکہ مسجد نبوی پہنچے۔ وہاں انھوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ انھوں نے عہد کیا کہ میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا۔ یہاں تک کہ میری موت آجائے یا اللہ میری توبہ قبول کرے۔ اسی حال میں ایک ہفتہ پڑے رہے۔ مسلسل فاقہ کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: ابولبابہ اگر سیدھے میرے پاس آجاتے تو میں ان کی بخشش کے لئے دعا کرتا۔ مگر جب وہ ایسا کر گزرے ہیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو نہ کھولوں گا، جب تک کہ اللہ کی طرف سے حکم نہ آجائے۔ بالآخر اللہ کی طرف سے توبہ نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کھول کر انھیں آزاد کیا۔

غلطی سچے مومن سے بھی ہوتی ہے اور منافق سے بھی۔ نہ صرف چھوٹی غلطیاں بلکہ بڑی غلطیاں بھی دونوں سے ہوسکتی ہیں۔ تاہم دونوں کی غلطیوں میں ایک فرق ہے۔ مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بشری تقاضے کی بنا پر اس سے غلطی تو ہوجاتی ہے۔ مگر جلد ہی بعد وہ چونک اٹھتا ہے۔ اس کا احتساب خویش کا جذبہ اس کو اپنی غلطی پر متنبہ کر دیتا ہے، اس وقت نہایت شدت کے ساتھ اس کے اوپر برعکس جذبہ طاری ہوتا ہے۔ غلطی کرتے وقت اگر بظاہر وہ اطاعت خداوندی سے باہر نکل گیا تھا تو اب دگنا شدت کے ساتھ وہ اطاعت خداوندی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ وہ روتا ہے، وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، وہ بے تابانہ چاہنے لگتا ہے کہ کسی طرح وہ اپنی پچھلی غلطی کی تلافی کرے اور آئندہ ایسی غلطی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔

اس کے برعکس منافق کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ غفلت کے ساتھ غلطی کرتا ہے اور غلطی کرنے کے بعد بھی بدستور غفلت میں پڑا رہتا ہے۔ اپنی غلطی کے احساس سے اس کے اندر کوئی تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ اس پر شرمندگی اور تلافی کا کوئی طوفان نہیں گزرتا۔ وہ اپنی غلطی کے صرف دنیوی پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے نہ کہ ان پہلوؤں پر جو آخرت میں اس کے سامنے ظاہر ہوں گے۔

مومن کی غلطی اس کو خدا سے اور قریب کر دیتی ہے اور منافق کی غلطی صرف اس کو خدا سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔

عالی ظرفی

مظفر حلیم (متوفی ۹۳۳ھ) گجرات کا حاکم تھا اور محمود خلجی مانڈو (احمد آباد) کا۔ دونوں ہم زمانہ تھے۔ پاس پاس ہونے کی وجہ سے دونوں میں باہم لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ محمود خلجی اکثر گجرات پر حملہ کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس "خوبصورت اور سرسبز" ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرلے۔ تاہم اسے اپنے ارادہ میں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس درمیان میں ایک واقعہ پیش آیا جو بظاہر مظفر حلیم کے لئے بہت خوش کن تھا۔ وہ یہ کہ اس کے حریف محمود خلجی کے وزیر منڈلی رائے نے موقع پاکر بغاوت کردی۔ اس کی بغاوت کامیاب رہی، اس نے سلطان کو تخت سے بے دخل کردیا اور خود ملک پر قابض ہوگیا۔ تاہم سلطان محمود خلجی اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔

اب اس کے سامنے یہ سوال تھا کہ کیا کرے۔ اس کی نظر میں صرف ایک ہی شخص تھا جو اس نازک وقت میں اس کی مدد کرسکتا تھا اور یہ وہی سلطان مظفر حلیم تھا جس کے اوپر وہ اپنے اقتدار کے زمانہ میں بار بار حملے کرچکا تھا۔ سلطان محمود خلجی کو معلوم تھا کہ سلطان مظفر حلیم اگرچہ اس کا حریف ہے مگر وہ ایک بہادر اور شریف انسان ہے۔ اور شریف اور بہادر انسان کی یہ صفت ہے کہ وہ مدد مانگنے والے کی مدد کرتا ہے، خواہ وہ اس کا حریف اور دشمن ہی کیوں نہ ہو۔

سلطان محمود خلجی نے کئی دن کے حیص بیص کے بعد بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ وہ سلطان مظفر حلیم کے پاس جائے گا اور اس سے مدد طلب کرے گا۔ وہ جرأت کرکے اس کے پاس پہنچا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کے باغی وزیر کے خلاف اس کی مدد کرے۔

سلطان مظفر حلیم کو موقع تھا کہ وہ اپنے حریف کو ذلیل کرے۔ وہ طعن و تشنیع کرکے اس کے بارے میں اپنے سینہ کو ٹھنڈا کرے۔ مگر اس نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔ وہ فوراً اپنے حریف سلطان کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ سلطان مظفر حلیم نے حکم دیا کہ اس کی فوج مانڈو کی طرف کوچ کرنے کے لئے تیار ہوجائے۔ اس نے محمود خلجی کو لیا اور خود اپنی فوج کے ساتھ مانڈو کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر وزیر منڈلی رائے کی فوج سے زبردست مقابلہ ہوا۔ بالآخر منڈلی رائے کی فوج نے ہتھیار ڈال دئے اور گجرات دوبارہ فتح ہوگیا۔

اب فوجیوں کی فاتحانہ نفسیات نے ایک نیا مسئلہ پیدا کر دیا۔ سلطان مظفر حلیم کے فوجی سرداروں نے کہا کہ یہ ملک اب آپ کا ہے۔ کیونکہ اس کو آپ کی فوجوں نے لڑکر فتح کیا ہے۔ آپ اس کو محمود خلجی کے حوالے نہ کریں بلکہ اس کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا اعلان کر دیں۔ اس معاملہ میں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

سلطان مظفر حلیم کے لئے یہ بہت نازک لمحہ تھا۔ تاہم اس نے جرأت سے کام لیا اور اپنے فوجی سرداروں کے اس مشورہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کو یہ بات اپنی بہادری اور غیرت کے خلاف معلوم ہوئی کہ جس ملک کو اس نے سلطان محمود خلجی کے نام پر فتح کیا ہے، اس کو سلطان کے حوالے نہ کرے اور خود اس پر قابض ہو جائے۔ سلطان کی جو شرافت اس کی محرک بنی تھی کہ وہ اپنے دشمن کی مشکل وقت میں مدد کرے، وہی شرافت دوبارہ اس میں مانع ہو گئی کہ وہ دشمن کی کمزوری کا غلط فائدہ اٹھائے اور اس کی چیز کو خود اپنے قبضہ میں لے لے۔ اس کے ایک طرف شرافت تھی اور دوسری طرف ملک۔ اس نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ ملک کو پانے کی خاطر اپنی شرافت کو کھو دے۔

تاہم سلطان مظفر حلیم کو اندیشہ تھا کہ اس کی فوج اگر مفتوحہ علاقہ میں ٹھہری رہی تو فتح کے جوش میں وہ کوئی نازک مسئلہ نہ کھڑا کر دے اور موجودہ فضا باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس نے فوراً ایک حکم جاری کیا۔ اس حکم میں کہا گیا تھا کہ اس کی فوجوں کا کام اب یہاں ختم ہو چکا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی فوج کا کوئی شخص مزید آگے بڑھ کر مفتوحہ شہر کے اندر نہ داخل ہو۔ تمام کی تمام فوج بلا تاخیر اپنے وطن کی طرف واپس چلی جائے۔

اس حکم پر فوراً عمل ہوا۔ سلطان مظفر حلیم کی فوج اپنے فتح کئے ہوئے ملک کو سلطان محمود خلجی کے حوالے کر کے گجرات واپس چلی گئی۔ سلطان مظفر حلیم نے ایک مفتوحہ ملک کو صرف اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ اپنی شرافت اور اپنی بہادری کو محفوظ رکھ سکے (ظفر الوا، از آصفی)

کوئی انسان کیا ہے، ہمیشہ غیر معمولی حالات میں معلوم ہوتا ہے اور ان غیر معمولی حالات میں سب سے زیادہ نازک لمحہ وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی فاتح اور غالب کی حیثیت میں ہو۔ اپنے کو فتح و غلبہ کے مقام پر پا کر بھی جو شخص شرافت اور انصاف پر قائم رہے وہی وہ انسان ہے جو امتحان میں پورا اترا۔

منفی جوش

وکٹر ہیوگو (۱۸۰۲ — ۱۸۸۵) فرانس کا مشہور ناول نگار ہے۔ اس کے زمانہ میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر لیا۔ وکٹر ہیوگو ایک بار الجزائر گیا۔ وہ کسی ہوٹل میں تھا کہ وہاں کچھ الجزائری مسلمان آ گئے۔ ان مسلمانوں کو "فرانسیسی" کی صورت سے پہلے ہی سے نفرت تھی۔ وہاں اتفاق سے ایک الجزائری مسلمان اور وکٹر ہیوگو کے درمیان کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ فوراً دونوں کے درمیان اشتعال پیدا ہو گیا، یہاں تک کہ لڑائی کی نوبت آ گئی۔ الجزائری مسلمان طاقت ور تھا۔ اس نے وکٹر ہیوگو کو خوب مارا۔

اس موقع پر وہاں اور بھی کئی الجزائری مسلمان موجود تھے۔ مگر انھوں نے وکٹر ہیوگو کو بچانے کی کوشش نہیں کی۔ ایک "فرانسیسی" کے مارے جانے پر وہ خوش ہوتے اور تالیاں بجاتے رہے۔ آخر میں وکٹر ہیوگو نے کہا —— اب تو میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں۔ مگر جلد ہی ایک ایسا کام کروں گا جو نہ صرف تم سے بلکہ تمھاری نسلوں تک سے اس کا انتقام لیتا رہے۔

اس واقعہ کے چھ مہینے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر وکٹر ہیوگو کی لکھی ہوئی سیرت کی کتاب شائع ہوئی جس کے ایک ایک فقرے میں پیغمبر اسلام کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد پاکستان کے سابق سفیر برائے فرانس مسٹر قدرت اللہ شہاب نے اس کی تردید میں ایک کتاب لکھی اور اس کو اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔

مسلمان اس کے لئے بہت جلد تیار ہو جاتے ہیں کہ وہ "معاندین اسلام" کو ذلیل کریں اور اُن سے کفر و اسلام کے نام پر لڑائی لڑیں۔ اسی طرح ان میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو ان کی مخالفانہ تحریروں کا تیز و تند زبان میں جواب دیں۔ مگر ایسے لوگ ان کے درمیان ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے جو ان "معاندین اسلام" کو اسلام کا مدعو سمجھیں اور مثبت انداز میں دل سوزی اور خیر خواہی کے ساتھ ان کو اسلام کی طرف بلائیں۔

اس قسم کی "خدمت اسلام" سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ البتہ یہ بہت بڑا نقصان ہوتا ہے کہ وہ معتدل فضا ختم ہو جاتی ہے جس میں دوسری قومیں اسلام پر غور و فکر کریں۔ دوسری قومیں جب ہمارے لئے نفرت کا موضوع بن جائیں تو ان کے لئے ہمارا دین محبت کا موضوع کیوں بنے گا۔

منفی تحریکیں

پروفیسر سی ایم جوڈ نے لکھا ہے: وہ مشترک جذبات جن کو آسانی سے بھڑکایا جا سکتا ہے اور جو عوام کے بڑے بڑے گروہوں کو حرکت میں لا سکتے ہیں وہ رحم، فیاضی اور محبت کے جذبات نہیں ہیں بلکہ نفرت اور خوف کے جذبات ہیں۔ جو لوگ کسی گروہ کے اوپر قیادت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک وہ اس کے لئے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کر لیں جس سے وہ گروہ نفرت کرے یا وہ کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کر لیں جس سے وہ گروہ ڈرے۔

Guide to Modern Wickedness, P. 153

نفرت اور خوف کے جذبات کو ابھار کر تحریکیں چلانا قرآن کے الفاظ میں عداوت (البقرہ ۳۶) کی بنیاد پر تحریک چلانا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس کو حدیث میں اندھے جھنڈے اور جاہلی نعرہ کے تحت لڑنا کہا گیا ہے:

من قتل تحت رایة عمیة یغضب للعصبیة ویقاتل للعصبیة فلیس من امتی (مسلم)

جو شخص کسی اندھے جھنڈے کے تحت مارا جائے، وہ عصبیت کے لئے غصہ کرے اور وہ عصبیت کے لئے لڑے تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

کسی فرد یا گروہ کو برائی کی علامت قرار دے کر اس کے پیچھے پڑنا خود ایک بہت بڑی برائی ہے۔ پھر برائی کے بیج سے بھلائی کا پھل کیسے نکلے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی تحریکیں، خواہ وہ حق و صداقت کے نام پر اٹھائی گئی ہوں، ہمیشہ منفی تحریکیں ہوتی ہیں۔ اور منفی عمل سے کبھی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ خدا کی دنیا، زمین سے آسمان تک، مثبت سرگرمیوں کی دنیا ہے۔ شہد کے چھتہ سے لے کر عظیم کہکشانی نظاموں تک، ہر جگہ مثبت اصولوں کی کارفرمائی ہے۔ ایسی دنیا میں وہی تحریک نتیجہ خیز ہوگی جو مثبت بنیادوں پر اٹھائی گئی ہو، منفی بنیادوں پر کیا جانے والا شور و غل اور اکھیڑ پچھاڑ ایک قسم کا شیطانی عمل ہے، اور شیطانی عمل سے ملکوتی نتیجہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔

منفی نعرے لے کر اٹھنا شخصی قیادت قائم کرنے کے لئے انتہائی مفید ہے۔ مگر اس قسم کی تحریک اصلاح کے مقصد کے لئے اتنی ہی بے فائدہ ہے۔ ہر تحریک اپنی دعوت اور سرگرمیوں کے مطابق اپنے متاثرین کا ذہن بناتی ہے۔ جو تحریک منفی بنیادوں پر اٹھے وہ یقیناً اپنے عمل کے دوران لوگوں کا ذہن بھی منفی انداز کا بنائے گی۔ پھر ایسے منفی ذہن کے لوگوں کا انجام خدا کی مثبت دنیا میں اس کے سوا کیا ہے کہ وہ یہاں بالکل بے جگہ ہو جائیں اور کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکیں۔

نشانہ کا فرق

شیطان کا طریقہ عداوتِ آدم ہے اور پیغمبر کا طریقہ عداوتِ فساد۔ شیطانی عمل کا محرک ضد اور حسد ہوتا ہے۔ اس لئے وہ "شخص" کو اپنی سرگرمیوں کا نشانہ بناتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں پیغمبرانہ عمل کا محرک برائی کو دور کرنا ہے۔ اس لئے پیغمبر کا سارا زور برائی کے خلاف ہوتا ہے نہ کہ برائی کرنے والے کے خلاف۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تحریک شروع کی تو عمر بن الخطاب آپ کے زبردست مخالف بن گئے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا کہ عمر بن الخطاب کو شخصی طور پر ختم کرنے کی مہم شروع کر دیں۔ اس کے بجائے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ خدایا عمر ابن الخطاب کے ذریعہ اسلام کو طاقت دے۔ اسی طرح مدینہ میں ایک نام نہاد مسلمان عبداللہ ابن ابی آپ کے خلاف مسلسل سازشیں کرنے لگا۔ مگر آپ نے ایسا نہ کیا اس کے قتل کا منصوبہ بناتے۔ آپ نے مدینہ کا حاکم ہونے کے باوجود اس کو زندہ رہنے دیا یہاں تک کہ وہ اپنی طبعی موت مرا۔

حقیقت یہ ہے کہ تحریکیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کا مقصد شعوری یا غیر شعوری طور پر، جاہ و مرتبہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی دوسرے کے مقابلے میں اپنے کو بڑا بنانا۔ اس قسم کی تحریک ہمیشہ کچھ متعین افراد یا گروہوں کو اپنا نشانہ بناتی ہے۔ ایک شخص یا گروہ کو بڑائی کے مقام تک پہنچنے کے لئے ہمیشہ دوسرا شخص یا گروہ رکاوٹ ہوتا ہے۔ اس لئے حصول جاہ کی تحریکیں ہمیشہ ان لوگوں کے خلاف اٹھتی ہیں جو عملاً جاہ کے مقامات پر قابض ہوں۔

اس کے برعکس معاملہ ان تحریکوں کا ہوتا ہے جو خوف خدا اور فکر آخرت کی بنیاد پر اٹھیں۔ ایسی تحریکوں کی توجہ ہمیشہ اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ برائی کرنے والوں کے اندر یہ جذبہ پیدا کریں کہ وہ اپنی برائی کو چھوڑ دیں اور دنیا و آخرت میں خدا کے غضب سے بچ جائیں۔ ایسی تحریک کو لے کر اٹھنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ برائی کو ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر برائی کرنے والے کو ہر وقت گلے لگانے پر تیار رہتے ہیں۔ برائی کے خلاف اپنی ساری طاقت لگا دینے کے باوجود برائی کرنے والے کے لئے ان کے دل میں خیر خواہی ہوتی ہے اور اس کے حق میں ان کی زبان سے ہمیشہ دعائیں نکلتی رہتی ہیں۔

آپ کو اٹھنا ہے تو برائی کے خلاف اٹھئے نہ کہ برائی کرنے والے کے خلاف۔ کیونکہ برائی کے خلاف اٹھنا پیغمبر کی سنت ہے اور برائی کرنے والے کے خلاف اٹھنا شیطان کی سنت۔

موت کا سبق

ایک مجرم کو بتایا گیا کہ عدالت اس کے خلاف فیصلہ کر چکی ہے اور کل صبح اس کو پھانسی دے دی جائے گی۔ پھانسی اگرچہ کل کے دن ہونے والی تھی مگر آج ہی اس کا یہ حال ہوا گویا اس کو پھانسی دی جا چکی ہو۔ زندگی اس کے لئے بے قیمت ہو گئی۔ اس کا ہنسنا اور بولنا ختم ہو گیا۔ اس کے ہاتھ جو دوسروں کے خلاف اٹھتے تھے، اب اس قابل نہ رہے کہ کسی کے خلاف اٹھیں۔ اس کے پاؤں جو ہر طرف دوڑنے کے لئے آزاد تھے، اب ان میں یہ طاقت بھی نہ رہی کہ وہ کہیں بھاگنے کی کوشش کریں۔

موت بتاتی ہے کہ یہی معاملہ ہر ایک کا ہے۔ ہر آدمی جو آج زندہ نظر آتا ہے، کل کے دن اسے "پھانسی" کے تختہ پر لٹکنا ہے۔ مگر ہر آدمی اس سے بے خبر ہے۔ ہر ایک اپنے آج میں گم ہے، کسی کو اپنے کل کا احساس نہیں۔ یہاں ہر آدمی "مجرم" ہے مگر بہت کم لوگ ہیں جو اپنے مجرم ہونے کو جانتے ہوں۔

آدمی زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ اپنے مال اور اپنے ساتھیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک عجیب واقعہ پیش آتا ہے۔ اس سے پوچھے بغیر اچانک اس کی موت آجاتی ہے۔ اس کے چلتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ اس کی دیکھنے والی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی ہر چیز سے جدا ہو کر قبر کی تنہائی میں چلا جاتا ہے۔

موت کا یہ واقعہ آدمی کی حقیقت کو بتا رہا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ آدمی اختیار سے بے اختیاری کی طرف جا رہا ہے۔ وہ اجالے سے اندھیرے کی طرف جا رہا ہے۔ وہ سب کچھ سے بے کچھ کی طرف جا رہا ہے۔ موت سے پہلے وہ اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں پاتا ہے جہاں وہ اپنے ارادہ کا آپ مالک ہے۔ موت کے بعد وہ ایک ایسی دنیا میں چلا جاتا ہے جہاں وہ کسی اور کی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور ہو گا۔

آدمی اگر اس حقیقت کو یاد رکھے تو اس کی زندگی بالکل بدل جائے۔ کسی پر قابو پا کر اسے ستانا اس کو مضحکہ خیز معلوم ہو۔ کیونکہ جو شخص خود کل دوسرے کے قابو میں جانے والا ہے وہ کسی کو ستا کر کیا پائے گا۔ اپنے کو بڑا سمجھنے پر اسے شرم آئے گی۔ کیونکہ جو بڑائی بالآخر چھن جانے والی ہو اس کی کیا حقیقت۔

آنے والا دن

موجودہ دنیا میں جب کوئی آدمی خدا کو مانتا ہے تو وہ دلیل کی بنیاد پر خدا کو مانتا ہے۔ آخرت میں جو لوگ خدا کو مانیں گے وہ خدا کے زور و قوت کی بنیاد پر خدا کو مانیں گے۔ گویا موجودہ دنیا میں دلیل خدا کی نمائندہ ہے۔ اس کے برعکس آخرت میں یہ ہوگا کہ خدا خود اپنی ذات کمال کے ساتھ اپنے آپ کو منوانے کے لئے انسان کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حقیقت میں خدا کو ماننے والا کون ہے اور اس کو نہ ماننے والا کون۔ خدا کو ماننے والا وہ ہے جو معقولیت کے وزن کو مانے۔ جو حق کے آگے اس وقت جھک جائے جب کہ اس کے ساتھ لفظی دلیل کے سوا کوئی اور زور شامل نہ ہو۔ اس کے برعکس جس کا یہ حال ہو کہ کوئی بات محض اپنی سچائی کی بنا پر اس کو متاثر نہ کر سکے، وہ کسی سچائی کو صرف اس وقت مانے جب کہ وہ کسی وجہ سے اس کو ماننے کے لئے مجبور ہو گیا ہو۔ جس سچائی کے ساتھ ایسا کوئی دباؤ موجود نہ ہو وہ اس کو ماننے کے لئے بھی تیار نہ ہوتا ہو، ایسا آدمی خدا کو ماننے والا نہیں ہے۔ اس کا معبود ظاہری طاقت ہے نہ کہ غیبی خدا۔

خدا اپنے ماننے کا ثبوت غیب کی سطح پر لے رہا ہے اور لوگ اس کو ماننے کا ثبوت شہود کی سطح پر دینا چاہتے ہیں۔ خدا چاہتا ہے کہ آدمی حق کے آگے جھک جائے مگر آدمی صرف طاقت کے آگے جھکنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ آدمی محض خدا کے خوف کی بنا پر انصاف کے طریقہ کو اپنا لے۔ مگر انسان صرف اس وقت انصاف کرنے پر راضی ہوتا ہے جب کہ وہ اس کے لئے مجبور ہو گیا ہو۔ جہاں مجبوری نہ ہو وہاں وہ فوراً سرکشی کرنے لگتا ہے۔

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں آدمی کو موقع ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو چھپا لے۔ مگر قیامت ہر آدمی کو برہنہ کر دے گی۔ اس وقت بہت سے خدا پرست غیر خدا پرستوں کی صف میں نظر آئیں گے، بہت سے حق کو ماننے والے حق کو نہ ماننے کے مجرم قرار دئے جائیں گے۔ بہت سے لوگ جو جنت کا الاٹمنٹ لئے ہوئے ہیں وہ اپنے کو جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا پائیں گے۔

انسان کتنا زیادہ بے ڈر بنا ہوا ہے، حالانکہ کتنا زیادہ ڈر کا لمحہ اس کے لئے آنے والا ہے۔

ایک تاثر

انسان زمین کے اوپر ایک تضاد ہے۔ وہ حقیقتوں کی دنیا میں حقیقتوں کو نظرانداز کرکے رہنا چاہتا ہے۔ انسان کو ایک نہایت حسین اور مکمل دنیا دی گئی ہے۔ مگر وہ اس طرح یہاں رہتا ہے جیسے وہ اپنی دنیا کی تردید کر رہا ہو۔

انسان کھلے ہوئے آسمان کے نیچے بند ذہن کے ساتھ جینا چاہتا ہے۔ لطیف ہواؤں کے درمیان اس کو صرف کثیف اخلاق کے ساتھ رہنا پسند ہے۔ اونچے پہاڑوں کے پڑوس میں وہ چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ سرسبز و شاداب درختوں کے ماحول میں وہ ٹھنٹھ بنا ہوا نظر آتا ہے۔ دریاؤں اور چشموں کی روانی کے درمیان وہ جمود و تعطل کی تصویر بنا ہوا ہے۔

اس صورت حال کی سب سے زیادہ عبرت ناک مثال وہ لوگ ہیں جن کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۸۲ کو میں جموں اسٹیشن پر ٹرین کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ دو مسلمان میرے پاس آئے جو غالباً کشمیری تھے۔ ایک نے کہا "مولانا صاحب، مجھے ایک مسئلہ بتائیے۔ لبنان میں فلسطینی بھائیوں کا خون ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے خون کے صدقہ کے طور پر ایک بکرا ذبح کروں"۔ دوسرے نے کہا "میں فلسطین جانا چاہتا ہوں، مجھے بتائیے کہ فلسطین جانے کا راستہ کیا ہے"۔ دونوں مجھ سے مشورہ چاہتے تھے، مگر میں ان کو کوئی مشورہ نہ دے سکا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دماغ میں الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے اور اب میرے پاس ان سے کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی شاید سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خیالی پرواز میں سب سے آگے ہیں اور حقیقی عمل میں سب سے پیچھے۔ ان کو سیاست میں صرف نعرہ پسند ہے، ادب میں شاعری اور دین میں رومانیت۔ مسلمانوں نے نہ اپنی مقدس کتاب سے کچھ سیکھا اور نہ دنیا کے تجربات سے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصاغر و اکابر کی تمام فوج خوش فکری کے خول میں بند ہے۔ اپنے فکری خول سے باہر کی حقیقتوں کی اسے خبر ہی نہیں۔

آخر ایسے لوگوں کو کیا مشورہ دیا جائے جو فلسطین جیسے سنگین مسئلہ میں اپنا حصہ ادا کرنے کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے لئے ایک بکرا ذبح کر دیں۔ یا اپنی انتہائی بے خبری اور بے مائگی کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح فلسطین پہنچ جائیں تو وہاں لڑ کر وہ اس کا سارا مسئلہ حل کر دیں گے۔

ایک آیت

قرآن کی سورہ نمبر ۲۵ کے آخر میں خدا کی رحمتوں کا ذکر ہے۔ خدا نے زمین کو انتہائی محکم قانون کے تحت گھما رکھا ہے جس سے رات دن اور موسم پیدا ہوتے ہیں۔ وہ حیرت انگیز انتظام کے تحت بارش برساتا رہتا ہے۔ وہ زمین پر انسان کے لئے طرح طرح کا رزق پیدا کرتا ہے۔ وہ سمندر کے کھاری پانی کو میٹھا بنا کر ہماری ضروریات پوری کرتا ہے۔ ایک عجیب و غریب حیاتیاتی نظام کے تحت وہ ہم کو اولاد عطا کرتا ہے۔ اس نے زمین و آسمان کی وسیع کائنات کو حیرت انگیز طور پر ہمارے موافق بنا رکھا ہے۔ اس قسم کی نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے:

الرحمٰن فسئل بہ خبیرا — وہ بڑی رحمت والا ہے، اس کی شان (رحمت) کسی جاننے والے سے پوچھو۔ (الفرقان ۵۹)

قرآن کی یہ آیتیں توحید اور آخرت کے اثبات میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کائنات میں اتنے کامل طور پر رحمت و قدرت کا نظام قائم ہو اس کے بارے میں یہ گمان کرنا بالکل بے بنیاد ہے کہ اس کا خدا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ یا اس کا خاتمہ عدل پر نہ ہوگا، اور وہ یوں ہی بے انجام طور پر ختم ہو جائے گی۔

اس ذیل میں فرمایا کہ کائنات میں خدا کی رحمت و قدرت کے نظام کا حال کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یعنی جو شخص کائنات میں غور و مشاہدہ کر رہا ہو، جس نے کائنات کے نظام میں جھانک کر دیکھا ہو اس سے اس کی تفصیلات پوچھو تو وہ تمھیں بتائے گا کہ یہ کائنات کیسی کائنات ہے۔ اور اس میں انسان کے لئے کیسے کیسے قیمتی انتظامات کئے گئے ہیں۔

اس کا مصداق موجودہ زمانہ میں سائنس داں بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ سائنس داں جنھوں نے زمین و آسمان کے نظام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کی حکمت و معنویت کو اس قدر حیران کن انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ان کو سن کر اور پڑھ کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوں اور اس کے ایمان میں اضافہ ہو جائے (ملاحظہ ہو، مذہب اور جدید چیلنج صفحہ ۸۲-۱۸۰)

واضح ہو کہ اس آیت میں سوال کا تعلق اللہ کی "رحمانیت" کو پوچھنے سے ہے نہ کہ دین حق کی بابت

پوچھنے سے۔ اللہ کی رحمانیت کے واقعات آپ کسی بھی عالم کائنات سے پوچھ سکتے ہیں۔ مگر اللہ کا دین تو صرف پیغمبر ہی کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اور اب قیامت تک کے لئے اللہ کے مستند پیغمبر صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"جاننے والے سے پوچھو" ایک عام لفظ ہے۔ جب بھی کسی کلام میں یہ لفظ آئے تو دیکھنا ہوگا کہ کس چیز کے بارے میں پوچھنا مراد ہے۔ جس چیز کی بابت پوچھنا مطلوب ہے اسی چیز کے جاننے والے سے پوچھنا مراد ہوگا نہ کہ کسی دوسری چیز کے جاننے والے سے۔

اس قسم کا سوالیہ اسلوب قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر سورہ انبیاء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین یہ کہتے تھے کہ یہ تو عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہیں (ھل ھٰذا الا بشر مثلکم) پھر وہ خدا کے پیغمبر کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ نبی عربی سے پہلے جس کو بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا انسانوں ہی میں سے بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ پس سابق اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے (فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون)

اس آیت میں اہل ذکر سے مراد یہود ہیں۔ قریش سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم کو یہ شبہ ہے کہ رسول انسان کیسے ہو سکتا ہے تو یہود سے پوچھ لو۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ ان کے یہاں کثرت سے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ وہ تم کو بتائیں گے کہ ان کے یہاں جتنے پیغمبر آئے سب انسان ہی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فرشتہ یا اور کوئی غیر انسانی مخلوق نہ تھا۔

فارم IV رول نمبر ۸

ماہنامہ الرسالہ۔ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی

۱۔ مقام اشاعت جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۲۔ وقفہ اشاعت ماہانہ

۳۔ نام پرنٹر (طابع) ثانی اثنین خاں
قومیت ہندوستانی
پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۴۔ نام پبلشر (ناشر) ثانی اثنین خاں
قومیت ہندوستانی
پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۵۔ نام ایڈیٹر (مدیر مسئول) ثانی اثنین خاں
قومیت ہندوستانی
پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی ۶

۶۔ نام اور پتہ مالک رسالہ ثانی اثنین خاں
جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

میں ثانی اثنین خاں تصدیق کرتا ہوں کہ جو تفصیلات اوپر دی گئی ہیں، میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

ثانی اثنین خاں

یکم مارچ ۱۹۸۳ء

دین کے نام پر بے دینی

قرآن کی تین سورتوں (الاعراف، طٰہٰ، الشعراء) میں یہ بات کہی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ کو خدا نے پیغمبر بنایا۔ اس کے بعد وہ خدا کے حکم کے مطابق شاہ مصر فرعون کے دربار میں گئے۔ انھوں نے فرعون کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے ہوئے کہا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکل کر میرے ساتھ صحرائے سینا میں جانے دے (ارسل معنا بنی اسرائیل) اس کے جواب میں فرعون نے اپنے درباریوں کے سامنے جو تقریر کی اس میں اس نے کہا کہ موسیٰ چاہتے ہیں کہ تم کو تمھارے ملک مصر سے نکال دیں (یریدان یخرجکم من ارضکم)

حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ساتھ لے کر خود ملک مصر سے نکل جانے کی بات کی تھی۔ مگر فرعون نے لازم کے صیغہ کو متعدی کا صیغہ بنا دیا۔ اس نے کہا کہ موسیٰ ہم لوگوں کو مصر سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم اور اپنے درباریوں کو موسیٰ کے خلاف بھڑکانے کے لیے آنجناب کی طرف وہ بات منسوب کر دی جو آپ نے خود نہیں فرمائی تھی۔

فرعون کا کلمہ واضح طور پر شرارت کا کلمہ تھا۔ یہ ویسا ہی تھا جیسے موجودہ زمانہ کے ظالم حکمراں یہ کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص سے ناراض ہوں تو وہ اپنی خفیہ پولیس کے ذریعہ اس انکشاف کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ حکمراں کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کرنے کی سازش کر رہا تھا۔ اس طرح وہ اپنے اس عمل کے لئے جواز فراہم کرتے ہیں کہ اس شخص کو بغاوت کا مجرم قرار دے کر ہلاک کر دیں۔

فرعون شرک اور کفر کا علم بردار تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں اسلام کے ایسے علم بردار پیدا ہوئے ہیں جو قرآن سے فرعون کے الفاظ (یریدان یخرجکم من ارضکم) لے لیتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی دعوت عام معنوں میں صرف ایک دینی دعوت نہ تھی بلکہ وہ سیاسی انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ تھا۔ حضرت موسیٰ اس لئے اٹھے تھے کہ فرعون کو اقتدار کے تخت سے بے دخل کر کے اس پر قبضہ کریں اور ملک میں حکومت الٰہیہ کا نظام قائم کریں۔ وہ کلمۂ موسیٰ کے بجائے کلمۂ فرعون سے پیغمبر کا مشن برآمد کر رہے ہیں۔

فرعون کا کلمہ صرف اس قابل ہے کہ اس کو شرارت کے خانہ میں جگہ ملے۔ مگر جو لوگ فرعون کے کلمہ سے پیغمبر کا مشن برآمد کر رہے ہیں ان کے قول کو آخر کس خانہ میں رکھا جائے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ان کو نوح کا حال سناؤ۔ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، اگر میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا تم پر گراں ہو گیا ہے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ تم اپنا متفقہ فیصلہ کر لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو، تم کو اپنے فیصلہ میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ پھر تم لوگ میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو میں نے تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگی ہے۔ میری مزدوری تو اللہ کے ذمہ ہے۔ اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ پھر انھوں نے اس کو جھٹلا دیا تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ان کو جانشین بنایا۔ اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ دیکھو کہ کیا انجام ہوا ان کا جن کو ڈرایا گیا تھا ۷۱—۷۳

حضرت نوح قدیم ترین زمانہ کے رسول ہیں۔ وہ جب تک خاموش تھے، قوم ان کی عزت کرتی رہی۔ مگر جب آپ حق کے داعی بن کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو بتانے لگے کہ ایسا کرو اور ویسا نہ کرو تو وہ قوم کی نظر میں ایک ناپسندیدہ شخص بن گئے۔ یہاں تک کہ قوم نے اعلان کر دیا کہ تم اپنی تبلیغ و نصیحت سے باز آؤ ورنہ ہم تم کو اپنی زمین میں نہیں رہنے دیں گے۔

حضرت نوح نے کہا کہ تم لوگ میرے معاملہ کو ایک انسان کا معاملہ سمجھتے ہو، اس لئے ایسا کہہ رہے ہو۔ مگر یہ معاملہ خدا کا معاملہ ہے۔ مجھ سے لڑنے کے لئے تم کو خدا سے لڑنا پڑے گا۔ تم کو اگر یقین نہ ہو تو تم اس طرح تجربہ کر سکتے ہو کہ اپنے ساتھیوں اور شریکوں کو ملا کر میرے خلاف کوئی متفقہ منصوبہ بناؤ اور اپنی تمام طاقت کے ساتھ اس کی تعمیل کر گزرو۔ تم دیکھو گے کہ میرے مقابلہ میں تمھارا ہر منصوبہ ناکام ہے۔ موجودہ دنیا میں داعی حق کی صداقت کو جانچنے کا معیار یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ کوئی بھی اس کو زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

جو شخص خدا کی طرف سے حق کی دعوت لے کر اٹھے وہ ہمیشہ نشانی (دلیل) کے زور پر اٹھتا ہے۔ دلیل چونکہ ایک ذہنی چیز ہے اس لئے ظاہر پسند انسان اس کی عظمت کو سمجھ نہیں پاتا۔ وہ ذہنی طور پر لاجواب ہونے کے باوجود اس کے

آگے جھکنے سے انکار کر دیتا ہے۔

حق کے داعی کو جن آداب دعوت کا لازمی طور پر لحاظ کرنا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ داعی اپنے مدعو سے کسی بھی قسم کا معاشی اور مادی مطالبہ نہ کرے۔ خواہ اس یک طرفہ دست برداری کی وجہ سے اس کو کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے۔ ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ دونوں کے درمیان آخر وقت تک داعی اور مدعو کا تعلق باقی رہے، وہ کسی بھی حال میں قومی حریف اور مادی رقیب کا تعلق نہ بننے پائے۔

حضرت نوح نے جب اتمام حجت کی حد تک حق کا پیغام پہنچا دیا، پھر بھی ان کی قوم سرکشی پر قائم رہی تو سرکشوں کو سیلاب میں غرق کر کے زمین ان سے خالی کرالی گئی اور مومنین نوح کو موقع دیا گیا کہ وہ زمین کے وارث بن کر اس پر آباد ہوں۔ اسی کو قرآن کی اصطلاح میں "خلافت" کہا جاتا ہے۔ سیلاب سے پہلے قوم نوح زمین کی خلیفہ بنی ہوئی تھی، سیلاب کے بعد مومنین نوح زمین کے خلیفہ قرار پائے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۷۴

پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے رسول بھیجے۔ وہ ان کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے، مگر وہ اس پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ۷۴

اس آیت میں "حد سے گزر جانے والا" ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک بار اگر وہ حق کا انکار کر دیں تو اس کے بعد وہ اس کو اپنی ساکھ کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور پھر اس کو مسلسل نظر انداز کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظر میں ان کا علم دین اور ان کا برسر حق ہونا مشتبہ نہ ہونے پائے۔

جو لوگ اس قسم کا رویہ اختیار کریں ان کو دنیا میں یہ سزا ملتی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ یعنی خدا کے قانون کے تحت ان کی نفسیات دھیرے دھیرے ایسی بن جاتی ہیں کہ بالآخر حق کے معاملہ میں ان کا شدت احساس باقی نہیں رہتا۔ ابتدائً ان کے اندر جو تھوڑی سی حساسیت زندہ تھی وہ بھی بالآخر مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ اس قابل نہیں رہتے کہ حق اور ناحق کے معاملہ میں ٹٹولیں اور ناحق کو چھوڑ کر حق کو قبول کریں۔ حضرت نوح اور ان کے بعد آنے والے بیشتر رسولوں کی تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے۔

اللہ کی طرف سے جب بھی کوئی داعیٔ حق آتا ہے تو وہ اس حال میں آتا ہے کہ اس کے گرد کسی قسم کی ظاہری عظمت نہیں ہوتی۔ اس کے پاس جو واحد چیز ہوتی ہے وہ صرف دلیل ہے۔ جو لوگ دلیل کی زبان میں حق کو مانیں وہی داعیٔ حق کو مانتے ہیں۔ جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ دلیل کی زبان انھیں متاثر نہ کر سکے وہ داعیٔ حق کو پہچاننے سے بھی محروم رہتے ہیں اور اس کا ساتھ دینے سے بھی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٨﴾

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا، مگر انھوں نے گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے سچی بات پہنچی تو انھوں نے کہا، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کو جادو کہتے ہو جب کہ وہ تمھارے پاس آچکا ہے۔ کیا یہ جادو ہے، حالاں کہ جادو والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ انھوں نے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس راستے سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اور اس ملک میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے، اور ہم کبھی تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں ۷۵ — ۷۸

فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے اپنی مجرمانہ ذہنیت کی بنا پر موسیٰ اور ہارون کی بات نہیں مانی۔ وہ چیزوں کو دلیل کے معیار سے دیکھنے کے بجائے جاہ و اقتدار کے معیار سے دیکھتے تھے۔ اس خود ساختہ معیار کے نام پر انھوں نے اپنے کو اونچا اور موسیٰ و ہارون کو نیچا سمجھ لیا۔ ان کی یہ نفسیات ان کے لئے اس حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن گئی جو ان کے نزدیک ایک چھوٹا آدمی ان کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

حضرت موسیٰ کی استدلال کی زبان جب فرعون کی سمجھ میں نہیں آئی تو آپ نے عصا اور ید بیضا کے معجزات دکھائے۔ ان معجزات کا توڑ فرعون کے پاس نہ تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ یہ جادو ہے۔ اس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں اپنی شکست کو ایک جھوٹی توجیہہ میں چھپانے کی کوشش کی۔ اس نے لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ موسیٰ کا معاملہ حق کا معاملہ نہیں ہے بلکہ جادو کا معاملہ ہے، یہ صحیح ہے کہ جادو اور معجزہ میں کچھ ظاہری مشابہت ہوتی ہے۔ مگر بہت جلد معلوم ہو جاتا ہے کہ جادو محض شعبدہ اور کرشمہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں معجزہ کو مستقل کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جادو بالآخر جادو ثابت ہوتا ہے اور معجزہ بالآخر معجزہ۔

اس موقع پر فرعون نے لوگوں کو حضرت موسیٰ کی دعوت سے پھیرنے کے لئے دو اور باتیں کہیں۔ ایک یہ کہ موسیٰ ہم کو ہمارے آبائی دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ فرعون کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کے پیغام کو حق اور ناحق کی

اصطلاح میں سمجھنے کی کوشش کرے۔ مگر اس نے اس کو آبائی اور غیر آبائی معیار سے جانچا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حق اور ناحق کے معیار سے دیکھنے میں اپنے آپ کو غلط ماننا پڑتا۔ جب کہ آبائی اور غیر آبائی کی تقسیم میں اپنی روش پر بدستور موجود رہنے کا جواز مل رہا تھا۔

فرعون نے دوسری بات یہ کہی کہ "موسیٰ اور ہارون اس ملک میں اپنی کبریائی قائم کرنا چاہتے ہیں"، یہ بھی عوام کو بھڑکانے کے لئے محض ایک سیاسی شوشہ تھا، کیونکہ حضرت موسیٰ نے تو اول مرحلہ میں فرعون کے سامنے یہ بات رکھ دی تھی کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ فرعون کو خدا کا پیغام پہنچائیں اور اس کے بعد بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں چلے جائیں۔ ایسی حالت میں یہ الزام سراسر خلاف واقعہ تھا کہ وہ مصر کی حکومت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾

اور فرعون نے کہا کہ تمام ماہر جادوگروں کو میرے پاس لے آؤ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تمھیں ڈالنا ہے ڈالو۔ پھر جب جادوگروں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے۔ بے شک اللہ اس کو باطل کر دے گا، اللہ یقیناً مفسدوں کے کام کو سدھرنے نہیں دیتا۔ اور اللہ اپنے حکم سے حق کو حق کر دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار ہو ۷۹ — ۸۲

فرعون کا ماہر جادوگروں کو بلانا اس لئے نہ تھا کہ وہ سمجھتا تھا کہ جادوگروں کے ذریعہ وہ حضرت موسیٰ کو زیر کرے گا۔ یہ کسی عقلی فیصلہ سے زیادہ فرعون کی اس بڑھی ہوئی خواہش کا نتیجہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ کو نہ مانے۔ خدا کے پیغمبر کو جادوگروں کے ذریعہ غلط ثابت کرنے کا منصوبہ ایک ایسا منصوبہ تھا جس کا ناکام ہونا پہلے سے معلوم تھا۔ مگر آدمی جب کسی حقیقت کو نہ ماننا چاہے تو اس کی یہ خواہش اس کو یہاں تک لے جاتی ہے کہ وہ احمقانہ تدبیروں سے اس کا مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ وہ سیلاب کے مقابلہ میں تنکوں کا بند باندھتا ہے حالاں کہ وہ خود جان رہا ہوتا ہے کہ سیلاب کے مقابلہ میں تنکوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

چنانچہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ جادوگروں نے میدان میں رسیاں اور لکڑیاں پھینکیں جو دیکھنے والوں کو رینگتے ہوئے سانپ کی صورت میں دکھائی دیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ بہت بڑا سانپ بن کر

میدان میں دوڑنے لگا۔ حضرت موسیٰ کا یہ "سانپ" محض سانپ نہ تھا، وہ دراصل خدا کی ایک طاقت تھی جو اس لئے ظاہر ہوئی تھی کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دے۔ چنانچہ اس کے سامنے آتے ہی جادوگروں کی رسی، رسی رہ گئی اور ان کی لکڑی لکڑی۔

یہ خود اپنے منتخب کئے ہوئے میدان میں فرعون کی شکست تھی۔ مگر اب بھی فرعون نے شکست نہ مانی۔ اب اس نے حضرت موسیٰ کی تردید کے لئے کچھ اور الفاظ تلاش کر لئے جس طرح اس کو پہلے مرحلہ میں آپ کی تردید کے لئے کچھ الفاظ مل گئے تھے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰي يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَي اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

پھر موسیٰ کو اس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے بڑے لوگوں کے ڈر سے کہ کہیں وہ ان کو کسی فتنہ میں نہ ڈال دے، بے شک فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو حد سے گزر جاتے ہیں۔ اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو، اگر تم واقعی فرماں بردار ہو۔ انھوں نے کہا، ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب، ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا۔ اور اپنی رحمت سے ہم کو کافر لوگوں سے نجات دے ۸۶ — ۸۳

نئے فکر کو قبول کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے معاشرہ میں نئے نئے مسائل سے دوچار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ عمر کے لوگ اکثر کسی نئے فکر کو قبول کرنے میں محتاط ہوتے ہیں۔ مختلف وجوہ سے زیادہ عمر کے لوگوں پر مصلحت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ نئے فکر کی صحت کو ماننے کے باوجود آگے بڑھ کر اس کا ساتھ نہیں دے پاتے۔

مگر نوجوان طبقہ عام طور پر اس قسم کی مصلحتوں سے خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمیشہ تاریخ میں ایسا ہوا ہے کہ کسی نئی اور انقلابی دعوت کو قبول کرنے میں وہی لوگ زیادہ آگے بڑھے جو ابھی زیادہ عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ یہی صورت حال حضرت موسیٰ کے ساتھ پیش آئی۔

حضرت موسیٰ کا ساتھ دینے والے نوجوانوں کو ایک طرف فرعون کا خطرہ تھا۔ دوسری طرف خود اپنی قوم کے بڑوں کی طرف سے ان کو حوصلہ افزائی نہیں ملی۔ یہ بڑے اگرچہ حضرت موسیٰ کی نبوت کو مانتے تھے۔ مگر اپنی مصلحت اندیشی کی بنا پر وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے بیٹیاں پرجوش طور پر حضرت موسیٰ کا ساتھ دیں اور اس کے نتیجہ میں وہ فرعون کے ظلم کا شکار بنیں۔

مگر اس قسم کی صورت حال کا تقاضا یہ نہیں ہوتا کہ آدمی مخالفین حق کے ڈر سے خاموش ہو کر بیٹھ جائے۔ اس کو چاہئے کہ وہ انسانی مخالفتوں کے مقابلہ میں خدائی نصرتوں پر نظر رکھے، وہ خدا کے بھروسہ پر اس حق کا ساتھ دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہو جس کا ساتھ دینے کے لئے ذاتی طور وہ اپنے آپ کو عاجز پا رہا تھا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں کچھ گھر مقرر کرلو اور اپنے ان گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو۔ اور اہل ایمان کو خوش خبری دے دو ۸۷

قبلہ کے معنی عربی زبان میں مرجع یا مرکز توجہ کے ہیں۔ یہاں گھروں کو قبلہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بستیوں میں کچھ گھروں یا ان گھروں کے بعض مناسب حصوں کو اس مقصد کے لئے مخصوص کر دیا جائے کہ وہ حضرت موسیٰ کی دینی جد وجہد کے لئے بطور مرکز کے کام دیں۔ یہاں تنظیمی اجتماعات ہوں، باہمی مشورے ہوں۔ دعوتی عمل کی خاموش منصوبہ بندی کی جائے۔

حضرت موسیٰ کی توحید و آخرت کی باتیں مصر کے بادشاہ فرعون کو سخت ناگوار تھیں۔ اس نے ان کے اوپر نہایت سخت قسم کی پابندیاں عائد کر دیں۔ یہاں تک کہ کھلے طور پر دینی سرگرمیاں جاری رکھنا ان کے لئے سخت دشوار ہو گیا۔ اس وقت حکم ہوا کہ فرعون سے ٹکرانے کے بجائے یہ کرو کہ اپنے کام کو قریبی دائرہ میں سمیٹ لو۔ اپنی بستیوں میں چھوٹے چھوٹے دعوتی اور تنظیمی مراکز بنا کر محدود دائرہ میں خاموشی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھو۔

ان حالات میں ان کو جو دوسرا حکم دیا گیا وہ نماز کی اقامت تھا۔ یعنی اللہ سے تعلق جوڑنے اور اس سے مدد مانگنے کے لئے نمازوں کا اہتمام، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ نماز دراصل خدا سے قریب ہو کر خدا سے مدد مانگنے کی ایک صورت ہے۔ نماز میں مشغول ہو کر بندہ اپنے آپ کو عجز اور تواضع کے مقام پر لاتا ہے اور عجز اور تواضع ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اور خدا کی ملاقات ہوتی ہے۔ بندہ کے لئے اپنے رب سے ملنے کا دوسرا کوئی مقام نہیں۔

یہ جو پروگرام بتایا گیا اسی کی تکمیل میں ان کے لئے فلاح اور نجات کا راز چھپا ہوا تھا۔ یہ حکم گویا اس بات کی خوش خبری تھی کہ خدا ان کو اس حالت سے نکالنے والا ہے جس میں ان کے دشمنوں نے ان کو مبتلا کر دیا ہے۔

جانور سے بدتر

شیخ سعدی نے کہا تھا "میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ اور خدا کے بعد اس شخص سے ڈرتا ہوں جو خدا سے نہیں ڈرتا۔" اسی بات کو شیکسپیئر نے ایک اور انداز سے اس طرح کہا ہے ـــــ "انسان ہی ایک ایسا جانور ہے جس سے میں بزدل کی طرح ڈرتا ہوں۔"

اس دنیا میں ہر چیز قابل پیشین گوئی کردار رکھتی ہے۔ آگ کے بارے میں آپ پیشگی طور پر یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تبھی وہ آپ کو جلائے گی۔ اگر آپ اپنے ہاتھ کو اس سے دور رکھیں تو وہ ایسا نہیں کرے گی کہ وہ کود کر آپ کے ہاتھ پر آگرے۔ یہی معاملہ تمام چیزوں کا ہے حتیٰ کہ موذی جانوروں کے بارے میں بھی ہم کو پیشگی طور پر معلوم ہے کہ وہ یک طرفہ طور پر کسی کے اوپر حملہ نہیں کرتے۔ ان کا حملہ ہمیشہ دفاعی ہوتا ہے نہ کہ جارحانہ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز ایک لگے بندھے قاعدہ کے تحت کام کر رہی ہے اور اس قاعدہ کی رعایت کر کے آپ اس کے نقصان سے بچ سکتے ہیں۔ مگر انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کے عمل کا کوئی اصول اور قاعدہ نہیں۔ وہ مکمل طور پر آزاد ہے اور جس وقت جو چاہے کر سکتا ہے۔

اس دنیا میں انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو یک طرفہ طور پر دوسرے کے خلاف کارروائی کرتا ہے جو کسی واقعی سبب کے بغیر دوسرے کے اوپر حملہ کرتا ہے۔ انسان کے حرص اور انتقام کی کوئی حد نہیں۔ آپ خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہوں اور محض ذاتی محنت کی بنیاد پر ترقی کریں تب بھی آپ محفوظ نہیں۔ کیونکہ دوسروں کے اندر حسد کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ آپ کو گرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ انسان لامحدود طور پر اپنی خواہشیں پوری کرنا چاہتا ہے اور بے حساب حد تک دوسرے کو برباد کر کے اس کی بربادی کا تماشا دیکھنا چاہتا ہے۔

کوئی بدترین موذی جانور بھی اس کو نہیں جانتا کہ وہ کسی کو ذلیل کرنے کا منصوبہ بنائے۔ وہ کسی کو نیچا دکھا کر اپنے غرور کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرے۔ کسی کو خواہ مخواہ مصیبتوں میں پھنسا کر اس کی پریشانی کا تماشا دیکھے۔ یہ صرف انسان ہے جو ایسا کرتا ہے۔ خدا نے انسان کو احسن تقویم کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ مگر انسان اپنی نادانی سے اپنے آپ کو اسفل سافلین کی پستی میں گرا لیتا ہے۔

یہ سرکشی ہے

انصاف مانگا نہیں جاتا بلکہ لیا جاتا ہے ـــــ موجودہ دنیا کے بارے میں کسی کا یہ تبصرہ بالکل درست ہے۔ یہاں وہی شخص اپنا حق پاتا ہے جس کے پاس بازوؤں کی طاقت ہو۔ جس کے پاس صرف لفظی دلائل ہوں اس کے لئے اس دنیا میں کچھ نہیں۔ موجودہ دنیا میں ہر آدمی کا یہ حال ہے کہ وہ صرف اس وقت انصاف دیتا ہے جب کہ اس کو ڈر ہو کہ انصاف نہ دینے سے اس کا اپنا معاملہ بگڑ جائے گا۔ اور اگر اس کا کچھ بگڑنے والا نہ ہو تو وہ انصاف دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔

کسی سے آپ کا کوئی معاملہ پڑے اور آپ اتفاق سے کمزور پوزیشن میں ہوں اور دوسرا فریق طاقت ور پوزیشن میں، تو حیرت انگیز طور پر آپ دیکھیں گے کہ آپ کا فریق آپ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے سے عاجز ہو رہا ہے۔ وہی آدمی جو دوسرے معاملات میں نہایت ذہین اور ہوشیار دکھائی دیتا تھا، آپ کے معاملہ میں ایسا بن جائے گا جیسے وہ اس کے پہلوؤں کو سمجھتا ہی نہیں۔ وہ آپ کے دلائل کو سنے گا مگر ان کو کوئی وزن نہ دے گا۔ آپ کے بامعنی الفاظ اس کی نظر میں بالکل بے معنی ہو جائیں گے۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ معقولیت کی ان کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ جہاں کوئی ڈر ہو یا کوئی فائدہ کا پہلو ہو تو ان کی ساری عقل فوراً جاگ اٹھتی ہے۔ وہ پوری ہوشیاری کے ساتھ وہاں متحرک ہو جاتے ہیں۔ مگر جہاں صرف دلیل اور معقولیت کا زور ہو، اس کے سوا کوئی اور چیز انھیں مجبور کرنے والی موجود نہ ہو وہاں وہ ایسا بے حس بن جاتے ہیں جیسے کہ نہ ان کے سر میں کوئی بات سمجھنے کی صلاحیت ہے اور نہ ان کے سینہ میں کسی چیز پر تڑپنے والا دل۔

سامنے کا نفع نقصان لوگوں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے۔ آدمی بھول گیا ہے کہ معقولیت کو وزن نہ دینا خدا کو وزن نہ دینا ہے۔ ایسے لوگ قیامت میں اس بات کے مجرم قرار پائیں گے کہ انھوں نے خدا کو بے حقیقت سمجھا، انھوں نے مالک کائنات کو بے وزن جانا۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ یہ جانے کہ کون اللہ کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بغیر دیکھے (الاحزاب) اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں خدا کی سچائی دلیل کے پردہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ آخرت میں خدا کی سچائی اپنے بے نقاب روپ میں ظاہر ہوگی۔ جو لوگ ایک سچی دلیل کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا اس وقت کیا حال ہوگا جب وہ جانیں گے کہ جس دلیل کو انھوں نے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا وہ دراصل خدا تھا جو اپنے غیبی روپ میں ان کے سامنے آیا تھا مگر اس کو انھوں نے نہیں مانا۔

سبب اپنے اندر

نئی دہلی میں پارلیمنٹ کے سنٹرل ہال میں یہ قصہ سنا گیا کہ صدر جمہوریہ ہند مسٹر گیانی ذیل سنگھ اپنے آپریشن کے لئے امریکہ گئے۔ وہاں وہ ٹکساس کے اسپتال میں تھے جس میں ان کے پیش رو سنجیوا ریڈی بھی زیر علاج رہ چکے تھے۔ جب وہ آپریشن تھیٹر میں لے جائے گئے تو چیف سرجن نے موصوف سے پوچھا: کیا آپ تیار ہیں (Are you ready) گیانی ذیل سنگھ نے اس کے جواب میں کہا:

No, I am not Reddy. I am Zail Singh

میں ریڈی نہیں ہوں۔ میں ذیل سنگھ ہوں (ہندستان ٹائمس، ۴ دسمبر ۱۹۸۲)

عین ممکن ہے کہ یہ کوئی واقعہ نہ ہو بلکہ محض ایک لطیفہ ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسا لطیفہ بنانے کی جرأت کیسے ہوئی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ گیانی ذیل سنگھ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ انگریزی زبان کم جانتے ہیں۔ ٹکساس کے آپریشن ٹیبل پر اگر رادھا کرشنن یا جواہر لال نہرو ہوتے تو کسی لطیفہ گو کو ایسا لطیفہ گھڑنے کی جرأت نہ ہوتی۔

باہر کی دنیا آپ کو اتنا ہی جانتی ہے جتنا آپ نے اس کو بتایا ہے اور آپ کی جو تصویر اس کے ذہن میں ہے اسی کے مطابق وہ آپ کے ساتھ سلوک کرتی ہے۔ اگر دوسروں سے آپ کو برے سلوک کا تجربہ ہو تو دوسروں کو برا سمجھنے کے بجائے خود اپنے اندر اس کے اسباب تلاش کیجئے۔ کیونکہ اپنی کمی کو دور کر کے آپ زیادہ بہتر طور پر دوسروں کے برے سلوک سے بچ سکتے ہیں۔

یونان کے ایک آرٹسٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک آدمی کی تصویر بنائی جس کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ تھا۔ اس نے تصویر کو بازار میں رکھ دیا۔ اس کے دوست نے اس کے بعد اسے مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ تم نے انگور کی تصویر اتنی کامیاب بنائی ہے کہ چڑیاں اس کو واقعی سمجھ کر اس پر چونچ مارتی ہیں۔ آرٹسٹ نے کہا: آدمی کی تصویر بنانے میں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ ورنہ چڑیاں اس قسم کی جرأت ہی نہ کرتیں۔

اب آرٹسٹ نے دوسری تصویر بنائی۔ اس تصویر میں بھی ایک آدمی انگور کا خوشہ لئے ہوئے تھا۔ انگور کا خوشہ دوبارہ اس قدر مطابق فطرت تھا کہ چڑیاں اس کو دیکھ کر اس کے پاس آتیں۔ مگر اب انھیں چونچ مارنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ جو آدمی انگور کا خوشہ لئے ہوئے تھا اس کی آنکھیں اس قدر غضب ناک تھیں کہ ان کو دیکھتے ہی چڑیاں واپس لوٹ جاتیں۔

کچھ چھوڑنا پڑتا ہے

دہلی میں میں اجمیری گیٹ کی سڑک سے گزر رہا تھا۔ ایک خوانچہ فروش عورت کی آواز میرے کان میں آئی: "ایک ہزار کی ساڑی پہنوں گی تو بچے نہیں پال سکتی ہوں"۔ اس کے ساتھ بیٹھنے والے خوانچہ فروش نے اس کی معمولی ساڑی پر اعتراض کیا تھا۔ اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ خریدنے کے لئے میں بھی اچھی ساڑی خرید سکتی ہوں۔ مگر اس کی قیمت مجھے یہ دینی پڑے گی کہ اپنے بچوں کی پرورش اور تعلیم میں خرچ کرنے کے لئے اس کے بعد میرے پاس کچھ نہ رہے گا۔

یہ زندگی کی سادہ سی حقیقت ہے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ زیادہ اہم چیزوں میں اپنا بھرپور حصہ ادا کرنے کے لئے اس کو کم اہم چیزوں میں "صبر" کا اصول اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کچھ چیزوں میں اسے "کم" پر راضی ہونا پڑتا ہے تاکہ بعض دوسری چیزوں میں وہ "زیادہ" کا مالک بن سکے۔

اس اصول کا تعلق ہر ایک سے ہے، خواہ وہ غریب ہو یا امیر۔ غریب کو اس اصول پر چلنے کے لئے اگر اپنی ضروریات میں کمی کرنی پڑتی ہے تو امیر سے اس کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اپنی عیش اور تفریح کی چیزوں میں کمی کر دے۔ اہم کی خاطر غیر اہم کی قربانی ہر ایک کو دینی ہے۔ اس میں ایک شخص یا دوسرے شخص کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔

مگر اس اصول کو لوگ صرف اپنے گھر اور اپنے بچوں کے بارے میں جانتے ہیں۔ خدائے دین کے بارے میں وہ اس اہم اصول کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ اس معاملہ میں ہر آدمی کا وہی حال ہو رہا ہے جو بائبل میں ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے ——— خدا کا گھر ویران ہے، کیونکہ تم میں سے ہر ایک اپنے گھر کو دوڑا چلا جاتا ہے (حجی، باب اول)

لوگ اپنے گھر کے امور کو کم اہم اور زیادہ اہم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو کم اہم ہے اس کو چھوڑ کر جو زیادہ اہم ہے اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر دین و ملت کے معاملہ میں ان کے یہاں اہم اور غیر اہم کی کوئی تقسیم نہیں۔ یہاں وہ بس اپنے ذوق پر چلنا چاہتے ہیں، خواہ اس کا مطلب یہی کیوں نہ ہو کہ آدمی اہم کو چھوڑ کر غیر اہم دائرہ میں دوڑنا شروع کر دے۔

اگر آدمی سنجیدہ ہو

حدیث میں آیا ہے کہ اپنے چہرہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ اور جس شخص کے پاس وہ بھی نہ ہو تو وہ ایک اچھے بول کے ذریعہ اپنے کو جہنم سے بچائے۔ کیوں کہ اچھے بول کا بدلہ بھی دس گنا سے سات سو گنا تک ملتا ہے (من استطاع ان یقی وجھہ من النار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل ومن لم یجدہ فبکلمۃ طیبۃ فان بھا تجزی الحسنۃ عشر امثالھا الیٰ سبعمائۃ ضعف)

دوسری طرف حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص چپ رہا اس نے نجات پائی (من سکت نجا) اس سے معلوم ہوا کہ کبھی نیکی یہ ہوتی ہے کہ آدمی بولے اور کبھی سب سے بڑی نیکی یہ ہوتی ہے کہ آدمی چپ رہے۔ کبھی چلنا مطلوب ہوتا ہے اور کبھی بیٹھ رہنا۔ کبھی خدا کو پسند ہوتا ہے کہ اس کا بندہ آنکھ کھول کر دیکھے اور کبھی خدا کی سب سے بڑی پسند یہ ہوتی ہے کہ بندہ اپنی آنکھوں کو بند کرلے۔

کب ایک عمل مطلوب ہے اور کب دوسرا عمل، اس کی کوئی متعین فہرست نہیں بنائی جاسکتی۔ لیکن اگر آدمی خدا سے ڈرتا ہو، اگر اس کو آخرت کی پکڑ کا اندیشہ لگا ہوا ہو تو وہ خود جان لے گا کہ کس موقع پر اسے کیا کرنا چاہیے۔

اگر آدمی کا ذاتی معاملہ ہو اگر اس کے اوپر زد پڑے تو اس کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ کس موقع پر اسے کیا کرنا چاہیے۔ مگر جب معاملہ دوسرے کی ذات کا ہو تو وہ اس کو سمجھ نہیں پاتا۔ اگر آدمی صرف اتنا کرے کہ جو چیز وہ اپنے لئے چاہتا ہے وہی دوسرے کو بھی دے اور جس چیز سے خود بچنا چاہتا ہے اس سے دوسروں کو بھی بچائے تو یہی اس کی اصلاح کے لئے کافی ہے۔

اپنی ذات کے بارے میں آدمی کا عمل بتا رہا ہے کہ اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ مگر اس علم کو آدمی صرف اپنے لئے استعمال کرتا ہے اور جب معاملہ دوسرے کا ہو تو وہ اس سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

نصیحت کے آداب

نصیحت ایک حکیمانہ قول ہے۔ وہ اس لئے ہوتی ہے کہ آدمی اس کو پکڑے۔ اور اپنی زندگی میں ہمیشہ اس کو برتتا رہے۔ اسی لئے نصیحت کا یاد رہنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی نصیحت اسی وقت نصیحت ہے جب کہ وہ سننے والے کو یاد رہ جائے۔ جو نصیحت ایسی ہو کہ وہ آدمی کو یاد نہ رہے، عملاً سننے والے کے لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

نصیحت کو یاد رکھنا یا اس کا یاد رہنا دو طرفہ معاملہ ہے۔ ایک طرف وہ اس پر موقوف ہے کہ سننے والا اس کو دھیان کے ساتھ سنے۔ دوسری طرف سنانے والے سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ سنانے والے کو اپنی نصیحت ایسے انداز میں کہنی چاہئے کہ وہ سننے والے کے دل میں اتر جائے اور اس کا ذہن بآسانی اس کو محفوظ کر سکے۔ نصیحت کو عمدہ انداز میں کہنا گویا سننے والے کو یاد رکھنے میں مدد دینا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے مذکر (ناصح) تھے۔ چنانچہ یہ حکمتِ کلام آپ کی حدیثوں میں کمال درجہ میں پائی جاتی ہے۔ نصیحت کو ذہن نشین کرانے کے لئے آپ مختلف قسم کا اہتمام فرماتے اور مختلف اسلوب اختیار کرتے۔

آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ مختصر الفاظ میں بولتے۔ ٹھہر ٹھہر کر اپنے الفاظ ادا کرتے۔ حضرت عائشہ نے بعد کے لوگوں سے ایک بار فرمایا:

ان رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یکُن یسرُد الحدیثَ کسردِکم کان یحدِثُ حدیثاً لو عدّہ العادُّ لاحصاہ (متفق علیہ)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرح تیز باتیں نہیں کرتے تھے۔ آپ اس طرح بات کرتے تھے کہ اگر گننے والا گنے تو اس کو گن لے۔

اسی مقصد سے کبھی آپ سوال وجواب کا انداز اختیار کرتے۔ کبھی رواجی اسلوب سے ہٹ کر کسی انوکھے اور چونکا دینے والے اسلوب میں اپنی بات ارشاد فرماتے۔ کبھی اپنے کلام کو ایک سے زیادہ بار فرماتے۔ کبھی سننے والے سے کہتے کہ میرے کہے ہوئے کو دہراؤ تاکہ میں دیکھوں کہ تم نے میرے الفاظ کو کس طرح پکڑا ہے۔ پھر اسی حکمت کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ نے ایک بات کسی شخص سے ایک انداز میں فرمائی اور وہی بات کسی دوسرے شخص سے دوسرے انداز میں۔

انھیں حکیمانہ طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنی بات کو گنتی کی صورت میں بیان فرماتے ــــــ "دو باتیں آدمی کے لئے ضمانت ہیں"، "تین باتیں جس کے اندر ہوں"، "چار باتیں یاد رکھو"، "پانچ باتیں بنیادی ہیں"، حدیثوں

میں دین کی تعلیم کرتے ہوئے اس قسم کے جو الفاظ آتے ہیں وہ اسی خاص حکمت کی وجہ سے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الامور ثلاثة۔ امر تبین لك رشده فاتبعه۔ و امر تبین لك زیغه فاجتنبه۔ و امر اختلف فیه فکله الی عالمه

معاملات تین طرح پر ہیں۔ وہ معاملہ جس کی صحت تم پر واضح ہو اس کی پیروی کرو۔ اور وہ معاملہ جس کی کجی تم پر واضح ہو اس سے بچو۔ اور وہ معاملہ جس میں اختلاف پڑ جائے اس کو کسی جاننے والے کے سپرد کر دو۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اصلاح کی بات کہنی تھی۔ اس کو آپ نے "تین" کلمات میں تقسیم کر کے فرمایا تاکہ سننے والے کو وہ فوراً یاد ہو جائے اور وہ اس کے ذہن کا جزو بن سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت نے بھی اس حکیمانہ طریقہ کی پیروی کی۔ امت کے رہنما اور واعظین مسلسل اسی انداز کلام میں لوگوں کو نصیحتیں کرتے رہے۔ وہ جب کسی سے نصیحت کا کوئی کلمہ کہتے تو ایسے اسلوب میں کہتے کہ لوگ اس کو پکڑ لیں اور اپنے دماغ میں اس کو محفوظ رکھیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر یحییٰ بن معاذ الرازی کے دو اقوال نقل کئے جاتے ہیں:

طوبیٰ لمن ترك الدنیا قبل ان تترکه وبنی قبره قبل ان یدخله وارضی ربه قبل ان یلقاه

مبارک ہے وہ جس نے دنیا کو چھوڑ دیا اس سے پہلے کہ دنیا اسے چھوڑے۔ جس نے اپنی قبر بنالی اس سے پہلے کہ وہ اس میں داخل ہو۔ جس نے اپنے رب کو راضی کر لیا اس سے پہلے کہ وہ اس سے ملے۔

ترکُ الدنیا کلها اخذُها کلها۔ فمن ترکها کلها اخذَها کلها ومن اخذَها کلها ترکها کلها فاَخذُها فی ترکِها وترکُها فی اخذِها

دنیا کو پورا چھوڑنا دنیا کو پورا پکڑنا ہے۔ پس جس نے پورے کو چھوڑا اس نے پورے کو پکڑ لیا اور جس نے پورے کو لیا اس نے پورے کو چھوڑ دیا۔ پس دنیا کو لینا اس کے چھوڑنے میں ہے اور دنیا کو چھوڑنا اس کے لینے میں ہے۔

نصیحت کا کلمہ خیر خواہی کا کلمہ ہے۔ سچی نصیحت اصلاح کی تڑپ کے تحت نکلتی ہے۔ ایسا آدمی فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ بات کو ایسے انداز سے کہے کہ وہ سننے والے کے دل میں اتر جائے۔ وہ سننے والے کے ذہن میں مستقل طور پر محفوظ ہو جائے۔ وہ اس کو اصول زندگی کے طور پر ہمیشہ کے لئے یاد رکھے۔ یہ جذبہ کہنے والے کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مخاطب کی پوری رعایت کرے۔ وہ اپنے الفاظ اور اپنے کلام کو زیادہ سے زیادہ پُر حکمت بنائے۔ مخاطب کے ساتھ یہی خیر خواہی اور رعایت ہے جو نبی اور اس کے سچے متبعین کے یہاں مندرجہ بالا قسم کے ناصحانہ کلام میں ڈھل جاتی ہے۔

ایمان آدمی کو اللہ والا بناتا ہے

امام احمد نے براء بن عازب کی حدیث میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر ایمان کی سب سے مضبوط گرہ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی ہے (اوثق عری الایمان باللہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ)

خدا کے حکم کے آگے جھک جانا

طائف کے قبیلہ ثقیف کا ایک خاندان بنو عمرو بن عمیر تھا۔ اور قبیلہ بنو مخزوم کا ایک خاندان بنو مغیرہ۔ ان دونوں خاندانوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں سودی لین دین کا معاملہ جاری تھا۔ فتح مکہ کے بعد دونوں خاندان اسلام لائے تو اس وقت بنو عمرو بن عمیر کا سود بنو مغیرہ کے ذمہ واجب الادا تھا۔ چنانچہ بنو عمرو بن عمیر نے بنو مغیرہ سے اپنے سودی بقایا کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد بنو مغیرہ نے آپس میں مشورہ کیا اور طے شدہ فیصلہ کے مطابق کہا کہ ہم اسلام لانے کے بعد اپنی اسلامی کمائی سے سود نہیں ادا کریں گے۔ اس پر جھگڑا بڑھا۔ اس وقت مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عتاب بن اسید حاکم تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی یہ آیت لکھ کر بھیج دی: اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور بقایا سود کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو تو تم سے اللہ اور اس کے رسول کی جنگ ہے (البقرہ ۲۷۹ - ۲۷۸) اس آیت کو سنتے ہی بنو عمرو بن عمیر کا ذہن بدل گیا۔ انھوں نے کہا: ہم اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بقایا سود کو چھوڑتے ہیں (نتوب الی اللہ ونذر ما بقی من الربا، تفسیر ابن کثیر، المجلد الاول، صفحہ ۲۴۹)

جو رحم کرے گا اس پر رحم کیا جائے گا

احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحم والا رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا (الراحمون یرحمھم الرحمان۔ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء)

جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا ہم آپ کی پہرہ داری نہ کریں۔ آپ نے فرمایا، آدمی کی تقدیر اس کی پہرہ داری کرتی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

وانہ لا یجد طعم الایمان حتی یعلم ان ما اصابہ لم یکن لیخطئہ وما اخطأہ لم یکن لیصیبہ (ابو داؤد) ایمان کی لذت آدمی اس وقت تک نہیں پاتا جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو کچھ

اس پر گزرا ہے وہ اس سے چوکنے والا نہ تھا اور جو کچھ اس پر نہیں گزرا وہ اس پر گزرنے والا نہ تھا۔
وہ صبر و استقامت میں ہاتھی سے زیادہ طاقت ور ثابت ہوئے۔

خلافت عباسی کے زمانہ میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا۔ اس وقت معتزلہ کے عقیدہ سے اختلاف کے نتیجہ میں امام احمد بن حنبل کو سخت سزائیں دی گئیں مگر وہ اپنے مسلک پر قائم رہے۔ حافظ ابن حجر ضرب کی نوعیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہاتھی کو بھی اگر اس طرح مارا جاتا تو وہ بھاگ جاتا (لو ضرب الفیل لھرب)

دعوت کا کام سب سے زیادہ قیمتی کام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہارے ذریعہ سے ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے (لان یھدی اللہ بک رجلاً واحداً خیر لک مما طلعت علیہ الشمس۔ وفی روایۃ: خیر لک من حُمْر النعم)

داعی لوگوں کا خیر خواہ ہوتا ہے خواہ وہ سرکشی کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۰ دن سے زیادہ مدت تک طائف کا محاصرہ کیا۔ جب مسلمانوں کے لئے وہ مشکل ہو گیا تو آپ نے واپسی کا حکم دیا۔ ایک شخص نے آپ سے کہا: اے خدا کے رسول، ثقیف کے لئے بد دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ، ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان کر کے واپس لا (اللھم اھد ثقیفا وائت بھم مسلمین) اسی طرح آپ سے کہا گیا کہ قبیلہ دوس سرکش اور منکر ہو گیا ہے، اس کے خلاف بد دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو مومن بنا کر لا (اللھم اھد دوسا وائت بھم مومنین)

وہ نیکی نیکی نہیں جس سے فخر اور بڑائی کا جذبہ پیدا ہو

ابن عطاء اللہ السکندری نے اپنی کتاب الحِکَم میں کہا ہے: ایسا گناہ جس سے پستی اور عجز پیدا ہو وہ اس نیکی سے بہتر ہے جس سے فخر اور گھمنڈ پیدا ہو (ربَّ معصیۃ اورثت ذلاً وانکساراً خیر من طاعۃ اورثت عزاً واستکباراً)

اللہ کی یاد تمام اعمال کا خلاصہ ہے

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے اور تمہارے آقا کے نزدیک سب سے پاکیزہ ہے اور تمہارے درجات کو بڑھانے والا ہے اور تمہارے لئے سونے چاندی کے انفاق سے بہتر ہے اور تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے مڈبھیڑ کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے کہا ہاں اے خدا کے رسول۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا (ترمذی)

ایک سفر

وسط افریقہ میں ایک ملک ہے جس کا نام روانڈا ہے۔ اس کے دارالسلطنت کا نام کیگالی (Kigali) ہے۔ یہاں پہاڑوں کے خوبصورت ماحول میں کھلی فضا کے اندر ایک اسلامی مرکز قائم ہے۔ ۱۹۸۱ میں مجھے یہاں لکچر دینے کے لئے بلایا گیا تھا۔ میرے اور میرے ساتھی کے لیے دو ہوائی ٹکٹ بھی آچکے تھے۔ مگر آخر وقت میں بعض وجوہ سے سفر ملتوی کر دینا پڑا۔ اس موقع کے لئے جو لکچر ترتیب دئے گئے تھے ان کا اردو ایڈیشن "احیاء اسلام" کے نام سے کتاب کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

اگست ۱۹۸۲ میں عالمی مؤتمر میں شرکت کے لئے طرابلس گیا تو وہاں سے دوبارہ کیگالی کے سفر کا انتظام ہو گیا۔ طرابلس کی الهیئة المشترکة نے یہ انتظام کیا کہ میں طرابلس سے واپسی میں کیگالی اور ابوظبی اور کویت وغیرہ کا سفر کرتے ہوئے دہلی واپس جاؤں۔ اس پروگرام کے تحت میں ۳۱ اگست ۱۹۸۲ کو کیگالی پہنچا اور ۱۵ ستمبر ۱۹۸۲ تک وہاں مقیم رہا۔

لیبیا اور متحدہ عرب امارات کے باہمی تعاون سے ۱۹۷۵ میں ایک اسلامی ادارہ قائم ہوا جس کا صدر دفتر طرابلس میں ہے اور جس کا نام ہے:

الهيئة المشتركة لتاسيس المراكز الثقافية الاسلامية

اس ادارہ کے موجودہ ذمہ دار دکتور طاہر محمد الشویھدی ہیں۔ اس ادارہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں اسلامی مراکز قائم کئے جائیں جن میں مسجد، مدرسہ، ہال، اسپتال، لائبریری اور دعوتی ادارے ہوں۔ یہ مراکز ایک طرف مقامی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ہیں اور دوسری طرف مقامی غیر مسلم آبادی میں اسلام کی تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں۔ ہیئت کی طرف سے اس قسم کے مراکز گابون، ٹوجو، مالی، بورونڈی، یوگنڈا، زامبیا، انڈونیشیا وغیرہ میں قائم کئے گئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک مرکز وہ ہے جو روانڈا کے دارالسلطنت کیگالی میں قائم ہے۔ اس مرکز کے تحت تقریباً ایک درجن شعبے کام کر رہے ہیں۔

طرابلس سے ہم ۳۰ اگست کو فرانسیسی ہوائی کمپنی کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں جہاز ایک گھنٹہ کے لئے مالٹا میں اترا۔ اس طرح موقع ملا کہ ہم جہاز سے باہر آکر مالٹا کو دیکھیں جو آج کل سیاحوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ مالٹا کی زمین پر قدم رکھتے ہوئے عجیب احساس ہوا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آزادی ہند کی مسلح تحریک کے نتیجہ میں ہندستان کے مسلم قائدین کو جلا وطن کیا گیا۔ میں نے سوچا: ہمارے لیڈر موجودہ صدی کے آغاز میں ایک ناکام سیاسی تحریک کی خاطر اس جزیرہ میں آئے اور ناکام سیاسی تحریک کی خاطر اس سے واپس چلے گئے۔ اس کے

برعکس اگر وہ اللہ کے دین کے داعی بن کر "مالٹا" آتے تو شاید آج اس علاقہ کی تاریخ بالکل دوسری ہوتی۔ ایسی حالت میں ان کا آنا بھی کامیابی کا آنا ہوتا اور جانا بھی کامیابی کا جانا۔

پیرس سے ہم کو جہاز بدلنا تھا۔ اس کی وجہ سے چند گھنٹے پیرس میں گزرے۔ دہلی کی پُرہجوم آبادی کے مقابلہ میں پیرس ایک سونا شہر معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وہ یورپ کا قدیم ترین ترقی یافتہ شہر ہے۔ ہم کو افریقہ کے ایک ملک سے افریقہ کے دوسرے ملک میں جانا تھا۔ مگر اس کے لئے ہم کو یورپ کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ اس وقت ہمارا پیرس اترنا اس بات کی علامت تھا کہ آج کسی مسلمان کو "لیبیا" سے "روانڈا" جانا ہو تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی "پیرس" تلاش کرے۔ کیگالی سے ہم نے دہلی ٹیلیفون کیا تو اس کا رابطہ بھی پیرس سے قائم ہوا۔

یہ ہماری آج کی صورت حال ہے۔ مگر کسی زمانہ میں پیرس اس بات کی علامت تھا کہ اسلام کے علم برداروں کی پیش قدمی جو مکہ سے شروع ہوئی وہ خشکی اور تری کو پار کرتی ہوئی یورپ کے مرکزی شہر پیرس تک پہنچ چکی ہے۔ آج بھی پیرس کی بعض قدیم عمارتوں میں عربی کتبات موجود ہیں جو گزرے ہوئے عہد کی یاد دلاتے ہیں۔

۳۱ اگست کو ہم کیگالی (روانڈا) پہنچے۔ روانڈا وسط افریقہ میں خط استوا پر واقع ہے۔ اس کے ایک طرف یوگنڈا، دوسری طرف تنزانیہ اور تیسری طرف فرانس ہے۔ اس کا رقبہ ۲۶ ہزار مربع کیلومیٹر اور آبادی دو ملین (۲۰ لاکھ) ہے۔ اس کا دارالسلطنت کیگالی ہے۔ پورا ملک سرسبز پہاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مٹی نہایت زرخیز ہے۔ مختلف فصلیں آبپاشی کے بغیر پیدا ہوتی ہیں۔

میرا قیام اصلاً کیگالی میں رہا۔ تاہم مجھے ایک طرف یوگنڈا تک جانے کا موقع ملا جہاں سرحد کے دونوں طرف کثرت سے چائے کے ہرے بھرے فارم پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف ہم بحیرہ مہازی (Muhazi) تک گئے جو تقریباً سو میل لمبا ہے اور روانڈا اور زائر کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ شہر کے علاوہ یہاں کی دیہاتی زندگی کو بھی تفصیل سے دیکھنے کا موقع ملا۔

عیدی امین (سابق صدر یوگنڈا) کی تصویر ہمارے یہاں بہت خراب ہے۔ مگر یوگنڈا کے لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ ذاتی طور پر بہت اچھا آدمی تھا۔ وہ اسلام دوست تھا اور اس نے ایسی پالیسی اختیار کی کہ اس کے زمانہ میں یوگنڈا میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ اس کی وجہ سے کلیسا اس کو بے حد ناپسند کرتا تھا۔ غیر ملکیوں کو یوگنڈا سے نکالنے میں عیدی امین نے جو سخت انداز اختیار کیا اس کی وجہ سے اس کے مخالفین کو موقع مل گیا کہ اس کو دنیا کے سامنے وحشی انسان کے روپ میں پیش کریں، حتیٰ کہ اس کو ملک سے نکال یا ہر کریں ——— اس سے اندازہ ہوتا ہے

کہ صحافت کے میدان میں مسلمانوں کی پس ماندگی موجودہ زمانہ میں کتنے وسیع نتائج تک پہنچ رہی ہے۔ روانڈا اور یوگنڈا کی سرحد پر میں نے دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے بچے نوٹوں کی گڈیاں ہاتھ میں لئے ہوئے گھوم رہے ہیں وہ آنے جانے والوں کے لئے نوٹوں کا تبادلہ کر رہے تھے۔ ان بچوں کے لئے اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ کوئی ان کے نوٹ چھین کر بھاگ جائے گا۔

روانڈا ابھی صنعتی انقلاب سے دور ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ بہت سادہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ابتدائی فطرت پر قائم ہیں۔ چنانچہ اسلام ان کے درمیان تیزی سے پھیل رہا ہے۔

روانڈا میں کلیسا کافی طاقت ور ہے اور وہ اسلامی تبلیغ کا مخالف ہے۔ مگر یہاں کا موجودہ صدر جنرل ہابیاریمانہ (Habia Remana) نہایت ہوشیار اور منصف مزاج ہے۔ اس نے کھلے طور پر اعلان کیا ہے کہ ہمارے ملک میں ہر مذہب کو آزادی ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں دخل دئے بغیر اپنا مذہبی کام کرے۔ کیگالی کے موجودہ اسلامی مرکز کے لئے حکومت نے کافی وسیع زمین مفت دی ہے۔ اور اس پر چھ ملین ڈالر کے خرچ سے ایک بڑا اسلامی مرکز قائم کیا گیا ہے۔ مرکز تعمیر ہونے کے بعد صدر روانڈا نے اس کا افتتاح کیا اور اپنی تقریر میں کہا کہ روانڈا میں ہم اس طرح کے اور بھی اسلامی مراکز دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس قسم کے مراکز ہماری شان میں اضافہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ملک کے اندر آزادی فکر کا نشان ہیں۔

کیگالی کے اسلامی مرکز کا خاموش تبلیغی کام تقریباً پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے دو درجن داعی پیدل یا کاروں یا بائیسکلوں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچتے ہیں اور ان کو خدا کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ میں نے اپنے زمانہ قیام (۳۱ اگست تا ۱۵ ستمبر ۱۹۸۲) میں دیکھا کہ تقریباً روزانہ مختلف اطراف سے لوگ یہ خبریں لے کر آرہے ہیں کہ فلاں مقام پر اتنے آدمی اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ تعداد اکائیوں میں نہیں بلکہ اکثر دہائیوں میں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ کبھی سیکڑوں میں۔ آئے دن نو مسلموں کی جماعتیں مرکز میں آتی ہیں تاکہ یہاں کچھ دن رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ اسی کے ساتھ ہر ایک باصرار اپنا ختنہ کراتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان نو مسلموں میں تقریباً ۹۹ فی صد نوجوان ہیں۔

کام کی بڑھتی ہوئی رفتار کے لحاظ سے مرکز کے وسائل بہت کم ہیں۔ تاہم نہ صرف مرکز میں بلکہ مختلف مقامات پر نو مسلموں کی دینی تعلیم کے لئے مدارس قائم ہیں جن میں مرکز کے مقرر کردہ معلمین ان کو اسلام کی تعلیم دیتے ہیں۔ مقامی زبان (کینیا روانڈا) میں چھوٹی چھوٹی کتابیں سادہ دینی تعلیمات کے بارے میں شائع کی گئی ہیں۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۸۲ کو کیگالی کے اسلامی مرکز میں میرا لکچر تھا۔ شہر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ اور کئی ملکوں کے سفراء وسیع لکچر ہال (قاعۃ المحاضرات) میں موجود تھے۔ اجتماع میں تقریباً نصف تعداد مسلمانوں کی تھی اور تقریباً نصف تعداد غیر مسلموں کی۔

یہاں مرکز کا اسٹاف کافی وسیع ہے۔ مگر ان میں کوئی اردو جاننے والا نہیں۔ روانڈا کی سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ چنانچہ سرکار کی اکثریت فرانسیسی زبان جاننے والوں پر مشتمل تھی۔ میں نے اپنا لکچر اس طرح تیار کیا کہ اولاً میں نے اپنی ہندستانی عربی میں لکچر کو املا کرایا۔ اس کے بعد مرکز کے ڈائرکٹر جناب محمد سلیمان القائد، جو میری عربی کتابیں پڑھے ہوئے ہیں، انھوں نے میری عربی کو عربوں کی زبان میں لکھا۔ اس کے بعد اس عربی لکچر سے جناب سالم جابی (غینیا) نے اس کو فرانسیسی زبان میں منتقل کیا۔

لکچر کی صورت یہ ہوئی کہ اولاً میں نے عربی زبان میں ابتدائی کلمات کہے جس کا فوری طور پر سالم جابی نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد جناب ادریس بلنجی (روانڈا) نے میرا لکچر فرانسیسی میں پڑھ کر سنایا۔ لکچر کے بعد سائیکلو اسٹائل پر تیار کی ہوئی اس کی عربی اور فرانسیسی کاپیاں لوگوں کے درمیان تقسیم کی گئیں۔ جلد ہی انشاء اللہ کیگالی کے اسلامی مرکز کی طرف سے دونوں زبانوں میں اس لکچر کو کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ طرابلس کا مقالہ (القرآن فی مواجہۃ التحدیات العصریہ) اور کیگالی کا لکچر (دور الاسلام فی التاریخ العالمی) دونوں اصلاً عربی زبان میں لکھے گئے۔ اس لئے فی الحال ان کا اردو نسخہ الرسالہ میں اشاعت کے لئے ہمارے پاس موجود نہیں۔

اسلامی مرکز (کیگالی) کا دعوتی کام اب تک زیادہ تر عوام میں ہو رہا ہے۔ مرکز کے ڈائرکٹر نے کہا: آپ کا یہ لکچر انشاء اللہ مرکز کے لئے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ اولاً ہم اس لکچر کو فرانسیسی اور عربی اور مقامی زبان (کینیا روانڈا) میں شائع کریں گے اور اس کے بعد آپ کی دوسری چھوٹی کتابیں بھی فرانسیسی میں اور عربی میں شائع کریں گے۔ اس طرح انشاء اللہ یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ (مثقفین) میں بھی ہمارا دعوتی کام شروع ہو جائے گا۔

اس سفر میں ایک اخوانی قائد سے ملاقات ہوئی۔ وہ ایک عرب ملک سے تعلق رکھتے تھے اور میری عربی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے میرے اس نقطۂ نظر سے اتفاق کیا کہ اسلامی تحریک کا فشانہ دعوت ہے نہ کہ سیاست۔ ان کے نزدیک الاخوان المسلمون نے سیاسی طریق کار اختیار کر کے غلطی کی ہے۔ تاہم ان کا اصرار تھا کہ ان کو اخوان المسلمون میں بدستور شامل رہنا چاہئے تاکہ وہ اندر سے اس کی اصلاح کی کوشش کر سکیں۔

میں نے کہا کہ اخوانیوں کا سیاسی طریق کار کسی اتفاقی غلطی کا نتیجہ نہ تھا۔ وہ ان کے فکر میں اول روز سے شامل تھا، ان کی اٹھان ہی سیاست پر ہوئی تھی۔ اور کسی تحریک کی اٹھان جس فکر پر ہوتی ہے وہ آخر تک اسی پر قائم رہتی ہے، آپ درمیان سے اسے بدل نہیں سکتے۔ تاہم انھوں نے میرے نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کیا۔ بالآخر میں نے انھیں ایک تحریر لکھ کر دی اور کہا کہ اس کو پڑھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیجئے اور دو سال بعد اس کو دوبارہ کھول کر پڑھئے گا اور پھر دو سالہ تجربات کا جائزہ لے کر مجھے بتائیے گا کہ آپ کا خیال درست تھا یا میرا خیال۔ یہ تحریر میری ہندستانی عربی میں حسب ذیل تھی:

كل حركة انسانية، مهما كانت اسلامية او غير اسلامية فهي تجري في مجراها التي قدر لها منذ البدء۔ لا يمكن لاحد ان يغير مجراها من الوسط۔ حتى و لو حاول مؤسس تلك الحركة هذا فلا ريب انه سيفشل۔ اذا كان رجل مع حركة ثم ظهر له ان فيها غلطا، فلا سبيل له الا ان يعتزل تلك الحركة ويبدأ من جديد۔ واذا هو قام على تصحيحها وجعل يجتهد ان يتجه بتلك الحركة غير اتجاهها فليس له في النهاية الا الفشل۔ انما ينبغي عليه ان لا يضيع عمره الثمين الذي بقي عنده۔ و يستعمل نفسه في العمل الصحيح والجهد المثمر۔ هذا ما عندي والعلم عند الله العلي الخبير۔

وحید الدین خان ۱۱ ستمبر ۱۹۸۲

اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۲ کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا۔ اس دوران میں مجھے دنیا کے تین براعظموں میں جانے کا موقع ملا۔ ایشیا، افریقہ، یورپ۔ ایشیا میں سعودی عرب، دبئی اور کویت۔ افریقہ میں لیبیا، روانڈا، یوگنڈا، کینیا اور ایتھوپیا۔ یورپ میں انگلینڈ، فرانس، مالٹا، یونان اور اٹلی۔ طرابلس کی موتمر میں ساری دنیا کے لوگ جمع تھے۔ آسٹریلیا اور امریکہ سمیت تقریباً ہر ملک کی نمائندگی وہاں موجود تھی۔ ان لوگوں سے کثرت سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اس طرح گویا ان مہینوں میں بالواسطہ یا براہ راست طور پر میں نے ساری دنیا کو دیکھ لیا۔ ان سفروں میں طرح طرح کے مختلف تجربات اور مشاہدات سامنے آئے۔ یہ تجربات اور مشاہدات انشاء اللہ الرسالہ میں آتے رہیں گے۔

حجازی نغمے (دوسرا ایڈیشن)

یہ مولانا شاکر گیاوی کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ مضامین اور عنوانات یہ ہیں:
مسلمانوں کی قومی اور ملی نکبت و زوال۔ پست حالی اور اجتماعی پراگندگی دور ہونے کی صورت۔ امت مسلمہ کی کھوئی ہوئی اکائی واپس لانے اور دوئی کو دور کرنے کی تدابیر۔ دینی محافل اور اجلاس کی رونق۔ قیمت دو روپے پچھتر پیسے

دس عدد خریدنے پر محصول ڈاک معاف۔ تاجران کتب کے لئے معقول کمیشن۔

گیا جنرل اسٹور بسٹوپور بازار جمشید پور ۸۳۱۰۰۱

تاریخ کا انوکھا کارنامہ

ایک بزرگ یہ دیکھ کر تڑپ اُٹھے کہ مُلک جل رہا ہے۔ مِلّت برباد ہو رہی ہے۔ مُلک کو بدعنوانیوں نے تباہ کر رکھا ہے اور مِلّت کو امتیازی سلوک نے۔ وہ ملک اور مِلّت دونوں کو بچانے کے لئے "سر سے کفن باندھ کر" نکل پڑے۔

انھوں نے طوفانی دَورے کئے، پُرجوش تقریریں کیں —— یہ ہمارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ جب تک ہم ملک اور مِلّت دونوں کو بچا نہ لیں، ہم چین سے نہ بیٹھیں گے، ہم ہر قسم کی قربانیاں دیں گے۔ ہم ۲۱ر فروری ۸۳ء سے ستیہ گرہ کریں گے۔ ہماری تحریک اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ملک اور مِلّت دونوں کے مسائل حل نہ ہو جائیں۔

لوگوں نے اپنی جانیں قربانی کے لئے پیش کیں۔ چندے دینے والوں نے چندے دیے۔ ہر طرف تھیلیوں کی جھنکار سنائی دینے لگی۔ لوگ اُمنڈ اُمنڈ کر چاروں طرف سے آنے لگے، تاکہ ملک و مِلّت کو بچا کر یا تو غازی بنیں، یا اسی مقدس مشن میں جان دے کر شہید ہو جائیں۔

مگر عین اس وقت ایک معجزہ ظاہر ہوا۔ ستیہ گرہ کی تحریک شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ ملک اور مِلّت دونوں کے تمام مسائل اچانک حل ہو گئے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۸۳ء کی صبح کو مذکورہ بزرگ کا اُردو اخبار (زیادہ صحیح لفظوں میں جماعتی بلیٹن) چھپ کر آیا تو اس کا صفحہ اول موٹی موٹی سُرخیوں سے بھرا ہوا تھا:

مُلک و مِلّت بچاؤ تحریک کی عظیم کامیابی

حکومت نے ہمارے تمام مطالبات منظور کر لئے

ستیہ گرہ کی تحریک کا شاندار انعقاد

عجیب بات ہے کہ ملک و مِلّت کے بارے میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا مگر خود ملک و ملت کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔ ۲۲ر فروری کی صبح کو مذکورہ بزرگ کے اپنے لیٹھو پر چھپنے والے دو ورقہ اُردو اخبار میں جو خبر انتہائی نمایاں سُرخیوں میں چھپی ہوئی تھی وہ اس دن کے بڑے بڑے ملکی اخبارات میں کسی گوشہ کے اندر بھی جگہ نہ پا سکی۔ شاید لوگوں کا حسد بزرگ کے کمالات کا اعتراف کرنے میں رُکاوٹ بن گیا ہو۔

اِس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ خود بزرگ کا اپنا اخبار بھی بزرگ کی تاریخ ساز کامیابی کو صحیح طور پر شائع کرنے میں ناکام رہا۔ اپنے صفحہ اوّل کی رپورٹ میں ایک طرف اس نے لکھا کہ "ہمارے نمائندہ خصوصی کی اطلاع کے مطابق حکومت نے ملک و ملّت بچاؤ تحریک کی تمام شرطوں کو تسلیم کر لیا"۔ دوسری طرف اسی اخبار کے اسی صفحہ میں یہ بھی درج تھا کہ "وزیر اعظم اور تحریکِ ملک و ملّت کے لیڈروں کے درمیان سوا دو گھنٹے تک بات چیت ہوتی رہی لیکن کچھ طے نہ ہو سکا"۔

بزرگ "ملک و ملّت" تحریک چلانے میں مصروف ہیں، مگر پرانے شہر کے دیواری پوسٹروں نے یہ اطلاع دی ہے کہ کچھ لوگ ایک اور تحریک چلانے کا ارادہ کر رہے ہیں جس کا عنوان ہوگا "ملک و ملّت کو بزرگ سے بچاؤ"۔

اتحاد کب قائم ہوتا ہے

سر ایچ۔ اے۔ آر گب (۱۹۷۱ - ۱۸۹۵) مشہور مستشرق ہیں۔ وہ انگریزی کے علاوہ عبرانی، عربی آرامی وغیرہ زبانیں جانتے تھے۔ انھوں نے اسلام اور اسلامی تاریخ کو پڑھنے میں اپنی ساری عمر صرف کر دی۔ پختہ عیسائی ہونے کے باوجود انھیں سلطان صلاح الدین ایوبی سے خاص دل چسپی تھی۔ انھوں نے سلطان کے پانچ معاصر مصنفین کی تحریروں کا گہرا مطالعہ کیا تھا ——— ابن ابی طے، ابن الاثیر، قاضی بہاء الدین ابن شداد، عماد الدین، القاضی الفاضل۔

پروفیسر گب نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے متعلق مراجع کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسلام کی تاریخ میں صدیوں کے بعد یہ منظر دکھائی دیا کہ ایک مسلم حکمراں مسلسل تین سال تک جنگ کے میدان میں اپنی فوجوں کے ساتھ رہ کر ایک مستعد دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ سلطان صلاح الدین اگرچہ کوئی بہت بڑے جنگی ماہر یا کوئی خاص تجربہ کار حکمراں نہ تھے۔ اس کے باوجود ان کی غیر معمولی کامیابی کا راز ان کی یہ صلاحیت تھی کہ وہ صلیبی حملہ آوروں کے خلاف اپنی قوم کے مختلف عناصر اور ان کی باہم متصادم سیاسی قوتوں کو ایک محاذ پر یک جا اور متحد کر سکتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی بے غرضی، ان کی فیاضی، ان کی سادگی، ان کی تواضع، ان کی ایمانداری اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ موافق اور مخالف دونوں ہی ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ ان کی یہی خصوصیات تھیں جنھوں نے ان کو اس قابل بنایا کہ وہ مسلمانوں کی مختلف قوتوں کو ساتھ لے کر دشمن کا متحدہ مقابلہ کریں اور کامیاب ہوں (خلاصہ)

Studies on the Civilization of Islam

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی قوم کی سب سے بڑی طاقت اتحاد ہے اور اتحاد کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ قوم کے ذمہ داروں کے اندر یہ مزاج ہو کہ وہ دوسروں کا اعتراف کرتے ہوں۔ ان کے سینہ میں اتنی کشادگی ہو کہ وہ دوسروں کو ان کا واقعی مقام دے سکیں۔ وہ اپنی ذات کو نمایاں کرنے سے زیادہ اجتماعی مقاصد کو نمایاں کرنے میں دل چسپی رکھتے ہوں۔

اپنے آپ کو دوسروں کے قریب لے جانے کا نام اتحاد ہے۔ مگر اکثر لوگ دوسروں کو اپنے قریب لانے کا نام اتحاد سمجھ لیتے ہیں۔

جذباتی نہ بنو

۱۹۸۲ کے آخر میں دہلی میں ایشیائی کھیلوں کے مقابلے ہوئے جن کو عام طور پر ایشیاڈ (ASIAD) کہا جاتا ہے۔ ان کھیلوں میں مجموعی طور پر انڈیا نے تیرہ سونے کے میڈل حاصل کئے اور پاکستان نے صرف تین۔ مگر خود انڈیا اور پاکستان کے درمیان یکم دسمبر ۱۹۸۲ کو جو مقابلہ ہوا اس میں پاکستان کے مقابلہ میں ہندستانی ٹیم بری طرح ہار گئی۔ یہ دونوں کے درمیان ہاکی فائنل کا مقابلہ تھا اور انڈیا ایک اور سات کے تناسب سے پاکستانی ٹیم سے ہار گیا۔

ایشیاڈ کے تمام کھیلوں کے مقابلہ میں یکم دسمبر کا یہ کھیل سب سے زیادہ ہندستانیوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ اس دن غیر معمولی زور و شور رہا۔ چنانچہ جب نتیجہ سامنے آیا تو ہمارے لکھنے اور بولنے والوں نے خوب خوب تبصرے کئے۔ ان تبصروں میں ایک تبصرہ خاص طور پر بہت سبق آموز تھا۔

ایوننگ نیوز (۲ر دسمبر ۱۹۸۲) نے کل کے دن کیا غلطی ہوئی (What went wrong yesterday) کے عنوان سے ایک رپورٹ چھاپی تھی۔ اس میں رپورٹر نے بہت سے ہندستانیوں کے تبصرے درج کئے تھے۔ ایک سینئر جرنلسٹ کے حوالے سے یہ جملہ نقل کیا گیا تھا:

Whenever Indians play against Pak they are all nerves and this affects their game.

جب بھی ہندستان والے پاکستانیوں سے کھیلتے ہیں تو وہ بالکل جذباتی ہو جاتے ہیں اور یہ چیز ان کے کھیل کو متاثر کرتی ہے۔

کامیابی ہمیشہ اس کا نام ہوتی ہے کہ آدمی اپنی عقل کو بخوبی طور پر کام میں لائے۔ مگر جب آدمی کسی معاملہ میں جذباتی ہو جائے تو اس کے جذبات اس کی عقل پر چھا جاتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اپنی عقل کو صحیح طور پر استعمال کر سکے۔ اور مقابلہ کی اس دنیا میں عقل کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے ہی کا دوسرا نام ناکامی ہے۔

اگر آج کسی سے آپ کو تکلیف پہنچے تو سوچ سمجھ کر کل اس کا جواب دیجئے۔ کسی کی ایک کارروائی سے آپ کے اندر غصہ پیدا ہو تو پہلے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کیجئے اور اس کے بعد اس کے مقابلہ کے لئے اٹھئے۔ کوئی شخص آپ کو حقیر معلوم ہو تو اپنے ذہن میں اس کو جرابر کی سطح پر لائیے اور پھر اس کے خلاف کارروائی کیجئے ـــــ یہی اس دنیا میں کامیابی کا واحد راز ہے۔

پیغمبرِ انقلاب ﷺ

سیرتِ پاک کا علمی اور تاریخی مطالعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ میں بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی کہ خدایا تو اسماعیل کے خاندان میں ایک نبی پیدا کر۔ دعا قبول ہوئی اور آمنہ کے بطن سے اسماعیلی پیغمبر پیدا ہو گئے۔ مگر حضرت ابراہیم کی دعا اور اسماعیلی پیغمبر کی بعثت کے درمیان تقریباً ڈھائی ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ نبیوں کے خاتم تھے۔ آپ کو خدا کے دین کی تبلیغ کے ساتھ خدا کے دین کو غالب بھی کرنا تھا تاکہ خدا کے انعامات کا کامل ظہور ممکن ہو سکے اور آپ کی لائی ہوئی آسمانی کتاب (قرآن) کی مستقل حفاظت کا انتظام ہو۔ یہ کام موجودہ عالمِ امتحان میں اسباب ہی کے ذریعہ انجام پا سکتا تھا اور یہی موافق اسباب فراہم کرنے میں ڈھائی ہزار سال لگ گئے۔ اب پچھلے ہزار سال کے دوران دوبارہ ایسے موافق اسباب پیدا کئے گئے ہیں جو موجودہ زمانہ میں دینِ محمدی کے غلبہ کا ذریعہ بن سکیں ——— یہ ہے بنیادی فکر جس کی تفصیل زیرِ نظر کتاب میں کی گئی ہے۔

قیمت ۲۰ روپے

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ ۔ قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

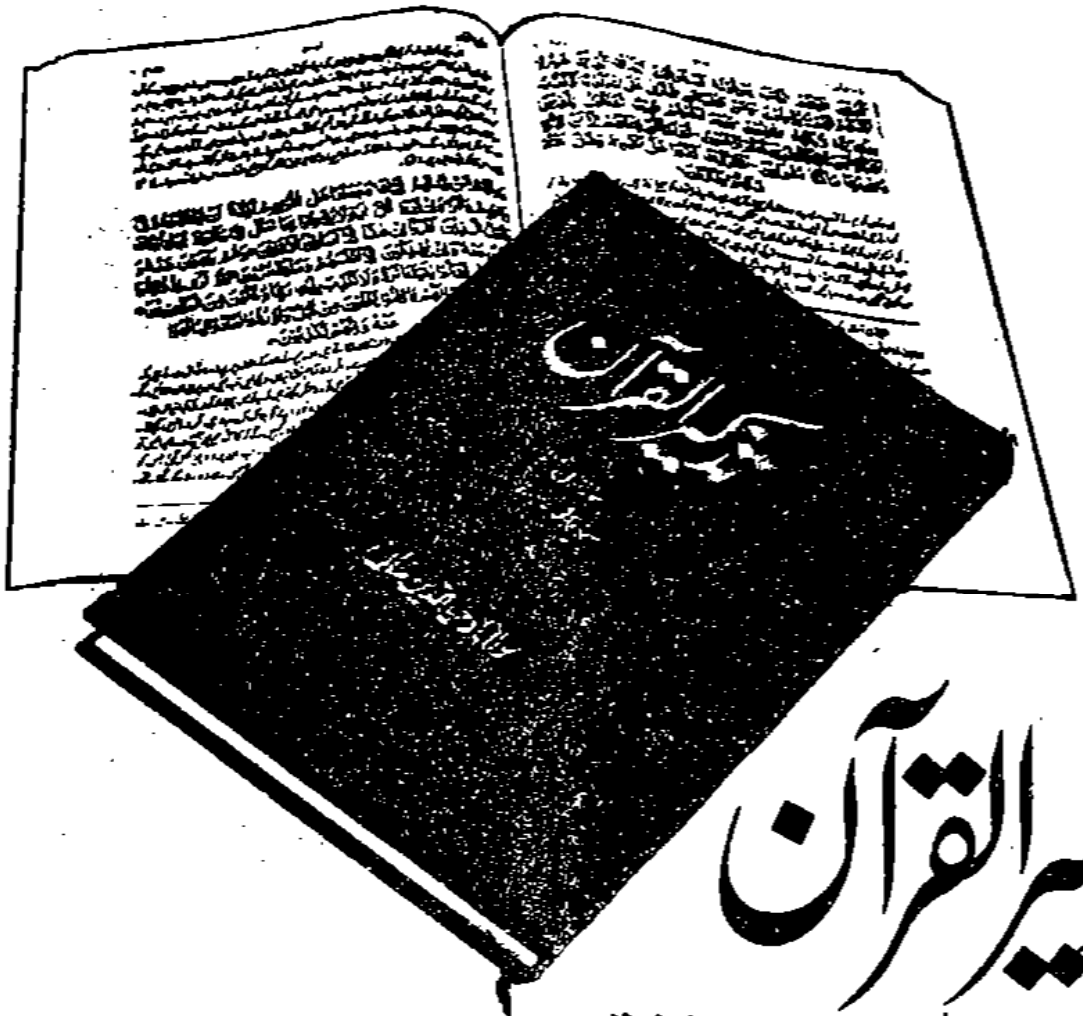

تذکیر القرآن

جلد اوّل سورۃ فاتحہ ـ سورۃ توبہ

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکزِ توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لئے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ھدیہ مجلد: پچاس روپے

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ ـ قاسم جان اسٹریٹ ـ دہلی ۱۱۰۰۰۶

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

Regd. D(DN) No. 532
Issue No. 76

AL-RISALA MONTHLY

Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi - 110 006 (India)
Telephone : 232231, 526851

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱- تذکیر القرآن جلد اوّل ہدیہ ۵۰/-
۲- الاسلام ۱۵/-
۳- مذہب اور جدید چیلنج ۲۰/-
۴- ظہورِ اسلام ۲۰/-
۵- احیاءِ اسلام ۱۲/-
۶- پیغمبرِ انقلاب ۲۰/-
۷- دین کیا ہے ۲/-
۸- قرآن کا مطلوب انسان ۵/-
۹- تجدیدِ دین ۳/-
۱۰- اسلام دینِ فطرت ۳/-
۱۱- تعمیرِ ملت ۳/-
۱۲- تاریخ کا سبق ۳/-
۱۳- مذہب اور سائنس ۵/-
۱۴- عقلیاتِ اسلام ۳/-
۱۵- فسادات کا مسئلہ ۲/-
۱۶- انسان اپنے آپ کو پہچان ۱/-
۱۷- تعارفِ اسلام ۲/۵۰
۱۸- اسلام پندرھویں صدی میں ۲/-
۱۹- راہیں بند نہیں ۳/-
۲۰- ایمانی طاقت ۳/-
۲۱- اتحادِ ملت ۳/-
۲۲- سبق آموز واقعات ۳/-
۲۳- زلزلۂ قیامت ۴/-
۲۴- حقیقت کی تلاش ۳/-
۲۵- پیغمبرِ اسلام ۲/-
۲۶- منزل کی طرف ۶/-
۲۷- حقیقتِ حج (زیرِ طبع)
۲۸- Mohammad The Ideal Character 3/-

تعارفی سٹ

۲۹- سچّا راستہ ۱/-
۳۰- دینی تعلیم ۳/-
۳۱- حیاتِ طیّبہ ۲/۵۰
۳۲- باغِ جنّت ۳/-
۳۳- نارِ جہنّم ۳/-

مکتبہ الرسالہ ☐ جمعیۃ بلڈنگ ☐ قاسم جان اسٹریٹ ☐ دہلی ۶